الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھترپارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

مجموعہ تعوّذات

آفات ومصائب انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان آفات ومصائب سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل ہوجائے وہ ان تمام تکالیف سے مامون ہوجاتا ہے۔

کن الفاظ کے ذریعے پناہ مانگی جائے............؟

کتاب وسنت سے انہی الفاظ کو چن کر یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے اور ایسی دعائیں جمع کی گئی ہیں جنہیں روزانہ صبح وشام یا پھر دن میں ایک مرتبہ یا پھر ہفتے میں میں ایک بار توجہ سے پڑھنا، تعلق مع اللہ کے احساس کو اجاگر کرتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا.

(پ: ۱۰، س: التوبۃ، آیت: ۴۰)

اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات بلند رہی۔

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ترجمان

جلد: 1 | اجراء: صفر 1431ھ / فروری 2010ء | شمارہ: 2

مؤسس و مسؤل:

مفتی محمد سعید خان

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک، اسلام آباد، پاکستان ۔ 46001

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	مطالب الفرقان	3
2	نفحات	
	(1) مشترکہ حقوق	14
	(2) اتحاد وانتشار	19
3	تسامحات	
	(1) ایک سنگین غلطی	26
	(2) تنفیذِ قوانین	34

پتہ برائے خط وکتابت:

(1) الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھترپارک،

اسلام آباد۔ پوسٹ کوڈ 46001

(2) الندوہ۔ پوسٹ بکس نمبر 1940

جی۔پی۔او۔اسلام آباد

E-Mail: alnadwa@seerat.net

ٹیلی فون نمبر: 0092-51-2860164

موبائل: 0300-5321111

برائے ترسیل زر:

بنام: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ

اکاونٹ نمبر 01-8637741-01

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک پاکستان.

پاکستان فی پرچہ: 25روپے

پاکستان سالانہ: 200روپے

بیرون ملک سالانہ: 25 امریکی ڈالر

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝ (1)

میں ہر سرکش، مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں.

(1) یہ جملہ بھی قرآن حکیم کی کوئی آیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے؛

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. سو جب آپ قرآن کی تلاوت کرنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔

(پ: ١٤، سورة النحل، آیت: ٩٨).

اس حکم کی بنا پر ضروری ہے کہ انسان جب بھی تلاوت کا آغاز کرے تو یہ جملہ پڑھ لیا کرے۔ شریعت کی اصطلاح میں اِس جملے "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" کو "تَعَوُّذ" کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں شرک اپنی تمام اقسام کے ساتھ دنیا میں رائج تھا اور شرک کی ایک قسم یہ بھی تھی کہ آفات و مصائب سے بچنے کے لیے جنات سے مدد کی درخواست کی جاتی تھی۔ عقیدہ یہ تھا کہ کائنات میں کچھ ایسی قوتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ہیں اور زندگی میں جب بھی کوئی تکلیف یا پریشانی آتی ہے تو ان قوتوں کو اگر پکارا جائے تو وہ اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے، ان تکالیف کا ازالہ کر دیتی ہیں۔ جنات بھی اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی طاقت و قوت دے رکھی ہے کہ وہ ہر تکلیف اور دُکھ سے بچا سکتے ہیں۔ اِس زمانے میں سفر بہت پُر مشقت ہوتے تھے اور جب کوئی مسافر گھر سے نکلتا تھا تو بجائے اِس کے کہ سفر کی تکالیف اور مشکلات سے بچاؤ کے

لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے، جب رات چھا جاتی تو وہ جنات اور شیاطین سے پناہ مانگتا تھا۔[1]

أعوذ بسید ھذا الوادي من الجن أن أضر أنا فیہ أو مالي أو ولدي أو ماشیتي.

میں اس وادی کے جن سردار سے پناہ مانگتا ہوں کہ اس وادی میں مجھے یا میرے اسباب وسامان یا میری اولاد یا میری کھیتی کو کوئی نقصان پہنچے۔ میں اِس وادی کے آقا کی پناہ میں آتا ہوں۔

اس شرک کے ارتکاب سے اس مسافر کی نفسیاتی طور پر تسلی ہو جاتی تھی کہ اب ایک بڑی طاقت نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ لہٰذا دنیا کی کوئی طاقت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور جنات اس اعتراف پر خوش ہوتے تھے کہ انسانوں نے جان اور مان لیا ہے کہ ہم اُنہیں مصائب وتکالیف سے پناہ دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم بھی قادر اور قدیر ہیں۔

اس شرک کا آغاز یمن سے ہوا تھا پھر آہستہ آہستہ یہ شرک تمام عرب میں پھیل گیا۔ بنو حنیفہ نے اِسے عام کیا اور جب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو یہ شرک بہت زور وشور سے جاری تھا۔ اسلام نے اِس شرک پر بھی کاری ضرب لگائی۔ اور یہ تعلیم دی کہ مصائب اور تکالیف کو دور کرنے کے لئے انسانی زندگی میں ایک دوسرے سے مدد لی جا سکتی ہے۔ ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے کسی سے قرض کی درخواست، مرض کی صورت میں طبیب سے رجوع اور دائرہ اسباب میں کسی بھی جائز سبب کو ضرور اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن قلت رزق کی صورت میں رزق کی کشادگی کا اختیار اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ ایک طبیب مریض کو، دوا تو دے سکتا ہے، شفا نہیں۔ اس دوا پر شفا کو مرتب کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اسباب سے بلند تر کام مثلاً خشک سالی کا دور کرنا، اولاد سے نوازنا اور اپنے بندوں کی بگڑی کو بنانا یہ طاقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ مسافر اپنی سفر کی مشکلات کو دور کرنے اور زندگی کا مسافر اپنی زندگی کی آسانیوں کے حصول اور مشکلات سے پناہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے حتیٰ کہ حضرت رسالت مآب

ا۔ تفسیر ابن کثیر، ج:۶، ص:۳۲۰، پ:۲۹، س: الجن، آیت: ۶.

صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تلقین کی گئی کہ وہ اپنی امت کو یہ بتادیں:

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ۔ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا۔
(پ:۲۹، سورۃ الجن، آیت: ۲۲).

آپ فرمادیجئے کہ (اگر خدانخواستہ میں شرک کروں تو) اللہ تعالیٰ کی گرفت سے مجھے کوئی بھی نہیں بچاسکتا اور نہ ہی میں اُس (ذات باری تعالیٰ) کے سوا کوئی پناہ کی جگہ پاسکتا ہوں۔

اِس تعلیم کے اثر سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرک کے عقیدے کو چھوڑ دیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے، سفر وحضر میں، پناہ کی درخواست کرتے رہے۔

بظاہر "تَعَوُّذ" کا، یہ ایک سادہ سا جملہ ہے لیکن اس پس منظر کے ساتھ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سب سے پہلا مسئلہ ہی، عقیدے میں توحید کا سکھایا ہے۔

اس جملے کو پڑھ کر انسان سب سے پہلے تو اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہے کہ معمولاتِ حیات میں عبادت ہو یا معیشت، معاشرت ہو یا حکومت وہ کچھ نہیں ہے، اِس کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ کھلی آنکھوں سے تکلیف دِہ اشیاء کو دیکھتا ہے مگر اُن کے ضرر کو اپنے سے دور نہیں کرسکتا اور بار بار درخواست پیش کرتا ہے کہ وہ ارحم الراحمین اُسے اپنی پناہ میں لے لے، اور ہر سرکش کی سرکشی اور ہر موذی کی ایذاء سے پناہ دے دے۔

دوسرے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرتا ہے کہ شیاطین کے مقابلے میں اور زندگی کے ہر موڑ پر اگر کوئی کام آنے والی ہستی ہے تو وہ صرف اور صرف وہی ذاتِ اقدس ہے، جس کے قبضہ قدرت میں زمین وآسمان اور معلوم اور نامعلوم تمام جہانوں کی وسعتیں ہیں۔

تیسرے اس لیے بھی کہ انسان جب "تَعَوُّذ" کے ذریعے قرآن حکیم کی تلاوت کا آغاز کرتا ہے تو وہ گویا کہ ہدایت کا متلاشی ہوتا ہے۔ اُس کا عزم ہوتا ہے کہ اب جو کچھ بھی قرآن میری رہنمائی کرے گا، میں اس کی تعلیم پر عمل پیرا ہوں گا، لیکن ہوسکتا ہے کہ شیطان مردود قرآن حکیم ہی کے نام پر اُسے گمراہ کردے

اور یہ قرآن سے ہدایت نہ حاصل کر پائے۔ شیطان اِس انسان کے خیالات اور قرآن حکیم کی حقیقی تعلیم میں آمیزش پیدا کردے اور کوئی شخص اپنے ہی گمراہ کن تخیلات کو اسی کتاب عزیز سے ثابت کرنا شروع کردے۔ اس لیے گویا کہ بندہ یہ درخواست کرر ہا ہوتا ہے کہ یہ میری زندگی اور تعلیم کا نہایت اہم مسئلہ ہے، ایسے نہ ہو کہ اب شیطان کی مداخلت مجھے اس بحر ہدایت سے مستفید نہ ہونے دے اور سب سے موثر حربہ، اِس مردود کے مقابلے میں یہ ہے کہ آپ خود مجھے اپنی پناہ میں لے لیں۔

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے لیے اس ایک جملے ''تعوذ'' کے علاوہ بھی متعدد ''تعوذات'' کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں، ان میں سے چندایک '' تعوذات '' یہاں نقل کیے جارہے ہیں۔ اس امید پر کہ ''مطالب الفرقان'' کے قارئین اس تفسیر کو محض ''علمی سیر'' کے طور پر نہیں پڑھیں گے بلکہ ان مبارک ''تعوذات'' کو اپنی زندگی کا عملی حصہ بنائیں گے۔

① شیاطین کی چھیڑ چھاڑ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾

(پ:١٨، سورة المومنون)

ترجمہ: اے میرے رب ان شیاطین کی چھیڑ چھاڑ سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے پروردگا میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ یہ مردود میرے قریب بھی نہ پھٹکیں۔

زندگی کے جس مقام پر بھی شیاطین کی مداخلت اور ان کا اثر محسوس ہو تو ان کو دور کرنے کا موثر علاج یہ ہے کہ ان دونوں آیات کا ورد، بار بار کیا جائے۔

② قرآن کریم کی آخری دونوں سورتیں

حدیث کی مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد آیت الکرسی اور چاروں قل ایک ایک مرتبہ اور رات کو سونے سے پہلے آخری تینوں قل تین تین مرتبہ، پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

③ صبح وشام اور رات کو سوتے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اُنہیں کوئی دعا صبح شام مانگنے کے لیے سکھادیں تو آپ نے فرمایا صبح، شام اور رات کو بستر پر لیٹتے وقت یہ دعا مانگا کرو[1]:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَ مَلِيْكَهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ.

ترجمہ: اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اللہ، جو پوشیدہ اور کھلی ہوئی تمام باتوں کو جانتا ہے، ہر چیز کے پروردگار اور اُس کے مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپکے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اپنے نفس کے شر، شیطان کے شر اور کسی بھی کام میں اُسکی شرکت سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

---

[1] ابوداؤد، ج:۲، ص:۳۳۵، کتاب الادب: باب مایقول اذا اصبح.

④ گھر سے نکلتے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو اللہ تعالیٰ سے ایسے پناہ مانگتے:[1]

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَزِلَّ اَوْ اَضِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ.

ترجمہ: اللہ تعالی کا نام لے کر دعا مانگتا ہوں کہ اے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں بھٹک جاؤں یا میں گمراہ ہو جاؤں یا یہ کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ یا یہ کہ میں کوئی نادانی کا کام کروں یا یہ کہ میرے ساتھ کوئی نادانی کا کام کیا جائے۔

⑤ غصّے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت سلیمٰن بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دو شخص آپس میں جھگڑے، ہم وہیں بیٹھے ہوئے تھے اور اُن میں سے ایک آدمی دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور اُس کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے ایک ایسا جملہ معلوم ہے کہ یہ شخص اُسے پڑھے تو اِس کا غصہ جاتا رہے اور وہ جملہ یہ ہے:[2]

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

لوگوں نے اُس شخص کی توجہ دلائی کہ سنو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں، تو

---

[1] نسائی، ج: ۸، ص: ۲٦۸، کتاب الاستعاذة، الاستعاذة من الضلال.

[2] صحیح بخاری، رقم الحدیث: ٦۱۱۵، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب.

اُس نے جواب دیا میں پاگل نہیں ہوں۔
اِس شخص کی مراد غالبًا یہ تھی کہ میرا غصہ صحیح ہے، میں پاگل تو نہیں ہوں کہ یہ جملہ دھراؤں یا ناحق غصہ مجھ سے اتر جائے۔
حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایسے بولنا یقینًا بے ادبی تھی، اسی لیے محدثین کا خیال ہے کہ یہ شخص یا تو کوئی منافق تھا اور یا پھر دیہاتی گنوار ہوگا۔[1]

⑥ جنسی خواہشات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت شکل بن حمید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیں جس کے ذریعے میں اللہ تعالیٰ سے پناہ وحفاظت کی دعا مانگا کروں۔ تو آپ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں تھام کر فرمایا کہو:[2]

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ
وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ.

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے، اپنی زبان کے شر سے، اپنے دل کے شر سے اور جنسی خواہشات کے مادے کے شر سے۔

⑦ قرض اور فقر وفاقہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت رسالت

---

[1] حاشية مشكوٰة المصابيح، ج:١، ص:٢١٣.

[2] نسائی، ج:٨، ص:٢٥٥، كتاب الاستعاذة، الاستعاذة من شر السمع و البصر.

ماآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام مانگنے کی غرض سے حاضر ہوئیں تو آپ نے اُنہیں یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی:[1]

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبعِ وَ رَبَّ العَرشِ العَظِیمِ، رَبَّنَا وَ رَبَّ کُلِّ شَیٍٔ مُنزِلَ التَّورٰۃِ وَ الاِ نْجِیلِ وَ القُرْآن، فَالِقَ الحَبِّ وَ النَّوٰی، اَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَیئٍ اَنتَ اٰخِذٌ بِنَا صِیَتِہٖ، اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیسَ قَبلَكَ شَیئٌ، وَاَنْتَ الاٰ خِرُ فَلَیسَ بَعدَكَ شَیئٌ، وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیسَ فَوقَكَ شَیئٌ، وَاَنْتَ البَاطِنُ فَلَیسَ دُونَكَ شَیئٌ، اَقْضِ عَنِّی الدَّینَ وَ اَغْنِنِی مِنَ الْفَقْرِ.

ترجمہ: اے اللہ آپ ہی ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کے پروردگار ہیں، آپ ہمارے بھی اور ہر ایک چیز کے پروردگار ہیں۔ اے اللہ توراۃ، انجیل اور قرآن حکیم کو نازل کرنے والے بھی آپ ہی ہیں۔ دانے اور گٹھلی کو پھوڑنے والے بھی آپ ہی ہیں۔ اے اللہ میں ہر چیز کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، ہر چیز آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے، آپ ہی سب سے اوّل ہیں اور آپ سے پہلے کچھ نہیں، اور آپ ہی سب سے آخر ہیں اور آپ کے بعد بھی کچھ نہیں، آپ ظاہر ہیں اور آپ سے بڑھ کر کوئی چیز ظاہر نہیں، اور آپ ہی پوشیدہ ہیں اور آپ سے ہٹ کر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ سو، اے پروردگار، میرے قرض کو اُتار دے اور مجھے فقر وفاقہ سے نجات دے دے۔

---

[1] ترمذی، ج:۵، ص: ۴۸۴، رقم الحدیث: ۳۴۸۱، کتاب الدعوات، رقم الباب: ۶۸.

⑧ مختلف بیماریوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر یہ دعا مانگتے تھے:[1]

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِكَ مِنَ الْجُنُونِ وَ الْجُذَامِ وَ الْبَرَصِ وَ سَيِّئِ الْاَ سْقَامِ.

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں برص سے اور کوڑھ سے اور پاگل پن سے اور تمام بُری بیماریوں سے۔

⑨ نظر بد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر یہ کلمات پڑھ کر دم فرماتے تھے:[2]

أُعِيذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هَامَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَا مَّةٍ.

ترجمہ: میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے پورے پورے کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان کے اثر سے اور ہر ڈسنے والے زہریلے کیڑے کے اثر سے اور ہر نظر بد، سے جو لگ جاتی ہے۔

اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم اپنے بیٹوں حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسی طرح دم کیا کرتے تھے۔

ا۔ نسائی، ج: ۸، ص: ۲۷۰، رقم الحدیث: ۵۴۹۳، کتاب الاستعاذۃ، تحت: کتاب الاستعاذۃ من من الجنون.

۲۔ ترمذی، ج: ٤، ص: ۳٤٦، کتاب الطب، باب ماجاء فی الرقیہ من العین.

⑩ اپنے گناہوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

(سید الاستغفار)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے اچھا استغفار یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کرے[1]:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ وَ اَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ.

ترجمہ: اے اللہ بلاشبہ آپ میرے پروردگار ہیں آپ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ آپ ہی نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں آپ ہی کا بندہ ہوں اور جو عہد و پیمان (توحید اور رسالت کا) میں نے آپ سے باندھا ہے، اپنی بساط کی حد تک اس پر قائم ہوں۔

میں نے جو کچھ (گناہ) کیے ہیں، اُن کے وبال سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

آپ نے جو انعامات بھی مجھ پر کیے ہیں اُن کا بھی اور اِس کے مقابلے میں، میں نے جو آپ کی نافرمانیاں کی ہیں اُن کا بھی، اعتراف کرتا ہوں۔

آپ مجھے معاف فرمادیں۔ حقیقت یہ ہے کہ، اے میرے پروردگار گناہوں کو معاف کرنے والا، آپ کے علاوہ ہے بھی کون؟

پھر آپ نے فرمایا جو شخص ایمان و یقین کے ساتھ اس طرح دن کو استغفار کرے اور شام ہونے سے پہلے انتقال کر جائے تو وہ اہلِ جنت میں سے ہوگا اور جو کوئی اسے ایمان و یقین کے ساتھ رات کو پڑھے اور اُس رات کی صبح سے پہلے انتقال کر جائے تو وہ بھی جنت والوں میں سے ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری، ج:۲، ص:۹۳۲، کتاب الدعوات، باب افضل الاستغفار.

⑪ رات کوسونے سے پہلے آخری کلام اور اپنے آپ کواللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم جب سونے کا ارادہ کرو تو پہلے ایسے وضو کرو جیسے نماز کے لیے وضو کرتے ہو اور پھر دائیں کروٹ پر لیٹ کر یوں دعا مانگو:[1]

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ وَ جْھِیْ اِلَیْکَ وَ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَ اَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَ رَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَ بِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ.

ترجمہ: اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جو چیز بھی اُن کے سائے میں ہے، اُن سب کے پالنے والے آپ ہی ہیں۔ اور اے اللہ زمینوں اور انہوں نے جن چیزوں کا بوجھ اُٹھایا ہوا ہے، اُن سب کے پروردگار بھی آپ ہی ہیں، شیاطین اور جنہیں وہ گمراہ کرتے ہیں، اُن سب کے مالک بھی آپ ہی ہیں۔ آپ کی جتنی بھی مخلوق ہے، اُن سب کے شر سے اے اللہ میری حفاظت کا بندوبست فرما دیجیے تا کہ اُن میں سے کوئی مخلوق بھی نہ مجھ پر زیادتی کر سکے اور نہ ہی اُس کی نافرمانی سے مجھے کوئی نقصان پہنچے۔ آپ کی پناہ بہت مضبوط، آپ کی تعریف بہت بلند اور آپ کے علاوہ کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ بے شک اے اللہ آپ تنہا عبادت کے لائق ہیں۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور بس یہ تمہاری آخری بات ہونی چاہیے۔ (اِس کے بعد مت بولو اور سو جاؤ) اگر اس رات تمہیں موت آ گئی تو تمہیں فطرت (یعنی ایمان) کی موت آئے گی۔

---

[1] ترمذی، ج: ۲، ص: ۱۹۲، ابواب الدعوات، باب.

1

مشترکہ حقوق

امام ابواسحٰق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام "ابراہیم بن علی بن یوسف" تھا۔ ان کی پیدائش ۳۹۳ھ میں خوارزم میں ہوئی پھر وہ ہجرت کر کے شیراز تشریف لے گئے اور شیرازی اُن کے نام کا جزو بن گیا۔ مسلکاً وہ اشعری اور شافعی تھے اور فقہ شافعی میں انہیں وہ کمال حاصل تھا کہ مشہور حنفی فقیہ امام موفق رحمۃ اللہ علیہ ان کے احترام میں یہ کہتے تھے:

أمیر المؤمنین فی الفقهاء أبو اسحق شیرازی.	ابواسحٰق شیرازی فقہاء میں امیرالمؤمنین کے منصب پر فائز تھے۔

کسی بھی شخص کا، خواہ اُس کا مسلک کچھ بھی ہو، فقیہ ہونا اس بات پر منحصر نہیں ہے کہ اُس نے بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہو، متعدد جزئیات اس کو یاد ہوں، اپنے دور کے ائمہ علم سے اُس نے تعلیم حاصل کی ہو اور اس کے نام کی شہرت ہو بلکہ فقیہ تو وہ شخص ہے جس کے مزاج اور طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے فقہ سے ایک خاص مناسبت رکھی ہو۔ اس کے باطن میں ایسا نور ہو کہ وہ اپنی سلامتی طبع کی وجہ سے کتابوں سے مراجعت کیے بغیر بھی شریعت کا منشاء جانتا ہو۔ اُسے معرفتِ الٰہیہ سے وافر حصہ ملا ہو اور اس کی شہرت سے پہلے، اُسے عنداللہ مقبولیت کا مقام مل چکا ہو۔

فقہاءِ کرام رحمہم اللہ اِس امت مرحومہ کا سرمایہ ہیں۔ اِن میں سے جو شخص بھی اپنے منصب کی نزاکت کو محسوس کرتا ہے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دینے کا احساس اُسے دامن گیر رہتا ہے۔ اُس کا منصب عوام کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سے آگاہ کرنا ہے۔ انسانی زندگی رواں دواں ہے، اُسے ہر روز نئے سے نئے مسائل کا سامنا ہے اور فقیہ اپنے درست عقیدہ، صحیح علم اور مخلصانہ اعمال سے، جو نور پیدا کرتا ہے، اُس نور کی روشنی میں اِن نئے سے نئے مسائل کا حل امت کے سامنے رکھتا ہے، ایسے فقیہ کا مقام بلند، اجر کئی گناہ، اجتہادی خطا پر بھی ثواب اور قصداً غلط فتویٰ دینے یا بدنیتی پر، اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی بہت شدید ہے۔

ابواسحٰق شیرازی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ پڑھتے، پڑھاتے اور فتویٰ صادر فرماتے رہے اُس کا اثر اُن کی عملی زندگی میں اتنا نمایاں تھا کہ وہ ایک مرتبہ اپنے بعض دوستوں کے ساتھ ایک راستے پر چل رہے تھے کہ ایک کتا اُن کے سامنے آ گیا اور اسی راستے پر چلنے لگا۔

اُن کے ایک دوست نے اُسے راستے سے ہٹانے کیلئے لشکارا[1] تو حضرت ابواسحٰق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس دوست کو منع کیا اور فرمایا:[2]

أما علمت أنّ الطّريق بيننا مشترك. — آپ کو اس مسئلے کا علم نہیں ہے کہ یہ راستہ ہمارے اور اس کتے کے درمیان مشترک ہے۔

یعنی اِس راہ پر پیدل چلنے کا جتنا ہمارا حق ہے اتنا ہی اس کتے کا بھی حق ہے۔ یہ راستہ دونوں کے پیدل

ا۔ کتے کو دور کرنے کے لئے جو "ھش" کی آواز بلند کی جاتی ہے اسے "لشکارا" کہتے ہیں اور اگر یہ آواز چڑیوں یا پرندوں کو اڑانے کے لیے ہو تو اُسے "ہنکانا" اور اونٹوں کو بٹھانے کی آواز کو "جخ جخ"، کہتے ہیں۔

۲۔ أنه كان يمشي يوماً مع بعض أصحابه فعرض له في الطريق كلب فزجره صاحبه فنهاه الشيخ وقال: أما علمت أن الطريق بيننا مشترك.

الاشارة الى مذهب أهل الحق الملحقه بـ "نهاية الأقدام فى علم الكلام"، ترجمة المؤلف، ص:٣٦٧.

چلنے کے لیے ہے تو پھر یہ ''ہش'' کہہ کر اس کتے کو اس راستے سے کیوں ہٹایا جائے اور اس کے چلنے کا حق ہم کیونکر چھین سکتے ہیں۔

یہ ایک فقیہ کا مزاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے ہاں جواب دہی کا احساس اُسے اِس مسئلے پر عمل کرا رہا ہے کہ اگر آج اِس کتے کو اس کے حق سے محروم کر دیا جائے گا تو اُس کتے کے پروردگار کو تو حساب دینا ہے۔ یہ جانور جتنا بے زبان ہے اس کا مالک اتنا ہی باخبر ہے۔ آج جبر سے اس کتے کا حق چھینا جا سکتا ہے، لیکن کل اس کا پروردگار اپنی بے پناہ قدرت کے ساتھ جلوہ گر ہوگا تو وہ ہم سے پوچھے بغیر انصاف کا ترازو نصب کر کے اس کتے کا حق واپس دلائے گا اس لیے انہوں نے اپنے دوست کو صرف ایک لفظ ''ہش'' کہنے سے بھی منع کر دیا۔

جدید صنعتی دور نے ٹریفک (TRAFFIC) کو عام کر دیا ہے۔ بہت سے ممالک میں سڑکیں کم پڑ رہی ہیں اور اس کے نتیجے میں رش بڑھ جاتا ہے۔ اس راستے پر گاڑی چلانے کا جتنا حق ہمیں حاصل ہے ہمارے سامنے والی گاڑی چلانے والے کو بھی اتنا ہی حق حاصل ہے۔ ہم اس کے حق کو کیسے چھین سکتے ہیں؟ ہمیں صبر کرنا ہے، اُسے یہ موقع دینا ہے کہ وہ اپنے حق کو استعمال کرے۔ اگر وہ بلا وجہ باعث کوفت بن رہا ہے تو پھر بدرجہ مجبوری ہارن بجا کر اُسے متوجہ کرنا ہے کہ اس کی غفلت کی وجہ سے جو نقصان ہو رہا ہے، اُس کا تدارک کیا جائے۔

لیکن صبر نہ کرنا اور بلا وجہ ہارن بجا کر نہ صرف اس کا حق چھیننا بلکہ اُسے ذہنی کوفت میں مبتلا کرنا شریعت کی نظر میں ایک گناہ ہے، جس کی تلافی ضروری ہے۔ ہارن بجانے سے اُسے جو ذہنی صدمہ پہنچے گا، قیامت میں اس کا حساب بھی ہو سکتا ہے۔

اس لئے عافیت کی راہ یہ ہے کہ ہم اپنے حقوق کے نہ ملنے پر جتنا شور مچاتے ہیں اس سے زیادہ اس بات پر غور اور محنت کریں کہ ہم اپنے فرائض مکمل طور پر ادا کریں اور دوسروں کے حقوق اُنہیں دیے جائیں۔ خدانخواستہ کہیں کسی کا کوئی حق ہمارے ذمے باقی نہ رہ جائے۔

امام ابواسحٰق الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اسی ورع اور تقویٰ کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تصانیف کو قبولِ عام بخشا۔

انہوں نے فقہ شافعی پر محض ایک سو چالیس صفحے[140] کا رسالہ ''المھذب فی المذھب'' لکھا لیکن اس مختصر رسالے میں انہوں نے اتنا علم سمو دیا کہ جب امام ابوذکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح لکھنے بیٹھے تو ''کتاب المجموع'' کے نام سے ابھی صرف 9 ضخیم جلدیں لکھ پائے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ رحمة الله عليه و نفعنا به فی الدّنيا و الآخرة۔

مزید کاوشیں یہ کہ انہوں نے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی تائید میں ''عقيدة السّلف'' تحریر فرمائی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد میں جو فرق ہے، اس پر ایک کتاب تحریر فرمائی: ''النکت فی المسائل المختلف فيها بين الاما مين أبي حنيفة و الشافعي رحمهما اللّٰه تعالىٰ''

ان کتابوں کی فہرست ان کے حالاتِ زندگی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

شیرازی رحمۃ اللہ علیہ پر زہد غالب آ گیا، پہلے بھی کون سی دنیا اُن کے گھر میں بھری تھی کہ اُسے خالی کرتے لیکن وہ زہد کے حقیقی مقام تک پہنچ گئے۔ زہد یہ نہیں ہے کہ انسان تارک الدنیا ہو جائے، زہد یہ ہے کہ انسان تارکِ حبِّ دنیا ہو جائے۔ جب، حبِّ دنیا کے مہلک مرض کا علاج ہو جائے تو پھر وہ دل عنایات و فیوضاتِ ربانی کا موردِ بن جاتا ہے۔

امام ابواسحٰق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی کچھ ایسے ہی ہوا!

وہ فرماتے تھے کہ:[1]

''میں ایک مرتبہ بغداد میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں حضرت رسالت مآب صلی

---

[1] كنت نائماً ببغداد، فرأيت النبي ﷺ ومعه أبوبكر و عمر، فقلت: يا رسول الله: بلغني عنك أحاديث كثيرة عن ناقلي الأخبار، فأريد أن أسمع منك حديثاً أتشرف به في الدنيا، و أجعله ذُخراً للآخرة، فقال لي يا شيخ! - و سمّاني شيخاً، و خاطبني به. و كان يفرح بهذا ......

اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ میں نے عرض کیا: ''احادیث روایت کرنے والوں کی کئی ایک روایاتِ حدیث، جو وہ آپ سے روایت کرتے ہیں، مجھ تک پہنچی ہیں لیکن تمنا ہے کہ کوئی ایک ایسی حدیث آپ سے خود سنوں، جس کی وجہ سے مجھے دنیا میں عزت ملے اور آخرت میں وہ میری نیکیوں میں اضافے کا باعث ہو''۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یا شیخ'' (اے عالم، اے فقیہ)

امام ابواسحٰق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنا یہ خواب بیان کرتے ہوئے اس مقام پر رُک جاتے تھے اور خوشی سے فرماتے تھے:

''لوگو دیکھو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے شیخ (عالم یا فقیہ کا) لقب مرحمت فرمایا ہے، اور اسی لفظ (شیخ) سے مجھ سے مخاطب ہوئے ہیں''۔

پھر اس خواب کا بقیہ حصہ بیان کرتے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:

''ہماری طرف سے لوگوں سے یہ کہیے گا کہ جو شخص امن اور سلامتی چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ اپنے امن اور سلامتی کو دوسرے لوگوں کے امن اور سلامتی میں تلاش کرے''۔

اس خواب کے علاوہ دیگر احادیث جو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہیں ان میں بھی امن اور سلامتی کی جستجو کرنے والوں کے لیے یہی پیغام ہے۔

ہم یہ چاہیں کہ ہمارے گھر سے لیکر ملک تک، ہر مقام پُرامن ہو تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم

...... قل عني: من أراد السلامة، فليطلبها في سلامة غيره.

(الاشارة الى مذهب أهل الحق المحقة بـ"نهاية الأقدام في علم الكلام"، ترجمة المؤلف، ص:٣٦٧)

دوسروں کے لیے، سو فیصد مثبت انداز سے سوچنے والے بن جائیں، ہم خود ہر شخص کے لیے سراپا امن ہوں اور یہ کوشش کریں کہ ہمارے دوست تو درکنار ہمارے دشمنوں کو بھی ہم سے امن اور سلامتی ہی کا پیغام ملے اور ہم اُن کو بھی امن اور سلامتی سے جینے دیں۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاشرے میں امن اور سلامتی کا قیام ممکن ہو جائے گا۔

تشدد اور تعصب کا مذہب اسلام نہیں۔ یہ چند افراد کی اپنی سوچ ہے اور اس سوچ کا مرکز خود اُن کے اپنے خیالات ہیں نہ کہ اسلام کی تعلیمات۔

تعمیرِ انسانیت، اپنے مخالفین کے لیے بھی امن کا پیغام اور ان کی خوشیوں کی تمنا کرنا، یہ انسانیت کا وہ بلند مقام تھا جہاں پر اپنے شیخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ کو فائز دیکھا۔ رائے بریلی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب بھی ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، بارہا اس شعر کو گنگناتے دیکھا:

ہر کہ او خار نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گل کو باغ عمرش بشگفد، بے خار باد

"ہر وہ شخص جو دشمنی کی وجہ سے، ہماری زندگی کی راہ کو کانٹوں سے بھر دے، اللہ کرے اس کی زندگی کے باغ میں جتنے بھی پھول کھلیں، ان میں بھی کانٹا نہ اُگے"۔

اتحاد و انتشار

گروہ ہمیشہ سے دو ہی رہے ہیں، اہلِ حق اور اہلِ باطل۔ دونوں کے مقاصد علیحدہ، طریقہ کار الگ اور

قائدین بھی مختلف رہے۔ ہمیشہ کوئی غالب اور کوئی مغلوب رہا۔ آج اہلِ حق کی فتح ہے تو کل اہلِ باطل کا غلبہ، یہ دنیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہی ہے کہ:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ — اور یہ نشیب وفراز کے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گھماتے رہتے ہیں۔

(پ:٤،س:ال عمران آیت:١٤٠)

کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں، کبھی اہلِ حق کے لیے ایام مسرت ہیں اور اہلِ باطل کے ہاں صفِ ماتم بچھی ہوتی ہے اور کبھی اہلِ حق آزمائش میں ہیں اور اہلِ باطل کے ہاں شادمانی کے ڈنکے پٹ رہے ہوتے ہیں۔

یہ سدا سے ہے اور سدا ایسا ہی رہے گا۔ کچھ جائے حیرت وتعجب نہیں، تعجب تو اس بات پر ہے کہ اہلِ حق آپس میں لڑ پڑیں۔ دونوں کا مقصد ایک، مسلک ومشرب ایک، اساتذہ ایک، کتابیں ایک حتیٰ کہ بعض اوقات زبان بھی ایک لیکن دل الگ الگ، ظاہر میں یکسانیت اور باطن میں تفرقہ۔

یہ حق کے داعی اور مدعی لڑتے ہیں اور اِن کا اتحاد کبھی کسی مثبت نکتے پر نہیں ہوتا۔ اتفاق ہوتا بھی ہے تو منفی پہلو پر یعنی جب کوئی ایسا مدِ مقابل مل جائے، جس کی مخالفت پر یہ سب متفق ہوں تو پھر اِن کا آپس میں اتحاد قابل دید۔ اس باطل کو نیچا دکھانے میں ایک سے بڑھ کر ایک لیکن جونہی وہ باطل سرنگوں ہوا، اُن اہلِ حق کی دال جوتوں میں بٹنے لگی۔ وہ کفر تھا جو اہلِ ایمان کے اتحاد کا سبب بنا اور مومن سبھی جو دولتِ ایمان سے مشرف ہیں، جب کفر بالمقابل نہیں رہا تو آپس میں لڑ بھڑ گئے۔

یہ کیسا ایمان ہے جو متفق نہیں کر رہا لیکن کیسا کفر ہے جو متحد کر گیا۔ اہلِ باطل کی فتح کا راز ہے کہ اہلِ حق آپس میں لڑتے رہیں، باہمی غیر حقیقی اختلافات کو ہوا ملتی رہے اور اس کے منافع سے کفر فائدہ اٹھاتا رہے۔ کسی بات پر اہلِ حق کا لڑنا، محض غلط فہمیوں کی بنیاد پر، سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے کی وجہ سے۔ دنیا کی محبت اور جھوٹ کی پرورش، حق کو سرنگوں اور باطل کو سربلند کر دیتی ہے اہلِ حق اپنے امیر کی ایسی اطاعت نہیں کرتے جیسی کہ اہلِ باطل کرتے ہیں۔ اور یہ عدم اطاعت ہزیمت کے دن دکھاتی ہے۔

عراق والوں نے امیر المومنین، خلیفہ راشد سیدنا علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کو اپنی اطاعت کا یقین دلایا

لیکن جب میدان کارزار گرم ہوا تو یہی عراقی کمزور اور بزدل ثابت ہوئے، وہ بہانہ بازی اور حیلہ جوئی کی، کہ مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا:

ابن ابی طالب رجل شجاع ولکن لارأی له فی الحرب.	ابو طالب کا بیٹا ہے تو بہادر لیکن جنگی حکمت عملی اس کے بس کی بات نہیں۔

یہ کیسی فوج تھی کہ اپنے قائد کے لیے باعث ندامت ثابت ہوئی، اور کیسا لشکر تھا جس کی وجہ سے طعنہ سننا پڑا۔ جنگیں جیتنے کے لیے محض برسرِ حق ہونا ہی کافی نہیں ہوتا، دنیوی نظم وضبط اور فوج کا اپنے قائد کے حکم کو حرفِ آخر سمجھنا بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ حق پر تھے۔ ان کے امیر، خلیفہ راشد، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی قیادت برحق تھی لیکن آپس کے اختلافات، قائد کی نافرنی اور پست ہمتی نے انھیں خواب وخیال کا سایہ بنادیا۔

پھر ان عراقیوں کے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک خطبہ دینا پڑ گیا۔ وہ انتہائی رنج اور غصے کی کیفیت سے بھرے ہوئے اپنے دولت خانہ سے تشریف لائے اُن کی چادر کا کنارہ زمین کو چھو رہا تھا اُنہوں نے اِسے سنبھالا اور اُونچے ٹیلے پر کھڑے ہوئے، فوج سے خطاب فرمایا اور خطاب کیا تھا؟ نطقِ خلیفۂ راشد وبرحق سے فصاحت وبلاغت کا جھرنا پھوٹا۔ عربی معلّیٰ نے آپ کے پاؤں چومے اور علوی ادب کا وہ شاہکار نمونہ، جس کے عروج کو کوئی بڑے سے بڑا ادیب اور اچھے سے اچھا مقرر، اب بھی نہیں چھو سکتا۔ ایک کمال کا جملہ یہ تھا:[1]

عجباً کل العجب عجب یمیت القلب و یغشل الفهم ویکثر الا حزان من تضا فر هؤ لاء القوم علی باطلهم و فشلکم من حقکم.	حیرت پہ حیرت ہے ہائے ایسی حیرت ہے جس سے دل مرجائے، عقل ڈوب جائے، غم اور دکھ کی گھٹا چھا جائے کہ میرے مقابلے میں آنے والے، ناحق پر لیکن آپس میں متحد، یکجان اور تم حق پر ہونے کے باوجود اتنے بے ہمت، اتنے منتشر۔

۱۔ الکامل فی اللغة و الادب .عتاب عثمان لعلی رضی الله عنهما .ج:۱،ص:۲۳.

اس لیے حق و باطل کی جنگ میں تو فیصلہ کرنا چنداں دشوار نہیں مگر جب اہلِ حق ہی منتشر ہوں تو پھر

کیا، کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

عہدے اور مال کی محبت سے دل پاک ہو جائے، تزکیہ نفس کے مراحل طے ہوں، زمانے کی نبض پر ہاتھ ہو، نشیب و فراز ہائے حیات سے واقف ہو، جھوٹ صرف یہ کہ بولا ہی نہیں، سنا بھی نہ جائے، اپنے دوستوں کی حوصلہ افزائی، ان کی خدمات کا اعتراف اور اپنے مخالفین کے ہر داؤ و پیچ سے واقف ہونا یہ صفات اہلِ حق کی ہیں اور اِن کے قائد کو تو اِن اوصاف سے اور بھی زیادہ متصف ہونا چاہیے۔

گناہ کی مجلس جمتی ہے اور جو گنہگار ایک دوسرے کے ندیم و رفیق ہوتے ہیں، مشکل حالات میں ایک دوسرے کے رفیق، ہمدم و ہمساز بن جاتے ہیں، اہلِ حق انہیں سے یہ سبق سیکھ لیں کہ دوست کیسے باوفا ہوتے ہیں۔

ذیل کا واقعہ ہر اس شخص کے لیے سبق آموز بن سکتا ہے، جو اپنے دوستوں سے وفا کرنا چاہے۔

ایران[1] کے شہر اصفہان کے قریب ایک قصبہ تھا "راوند" قدیم زمانے میں قبیلہ بنو اسد کے دو لڑکوں نے سفر شروع کیا اور جب "راوند" پہنچے تو یہاں ایک اور لڑکے سے اُن کی دوستی ہو گئی۔ "راوند" کا یہ لڑکا دیہاتی تھا اور وہ دونوں اس کی نسبت سے باعتبار بود و باش، بہتر تھے لیکن محبت نے تینوں کو یکجا کر دیا اور پھر اُن تینوں نے زندگی اکھٹی گزارنے کا فیصلہ کر لیا، "راوند" ہی اُن تینوں کا مسکن بنا اور وہی اُن کی جنت تھی۔ اکھٹے رہتے کھاتے، پیتے اور زمینوں پر محنت کرتے، شام کو محفل جمتی اور تینوں مے نوشی کے دور

ا۔ وذكر أن رجلين من نبي أسد خرجا إلى أصبهان فآخيا دهقاناً بها في موضع يقال له راوند و ناد ماه فمات أحدهما و بقي الأسدي الآخر والدهقان، فكان ينادمان قبره ويشربان كأسين ويصبان على قبره كأساً، ثم مات الدهقان فكان الأسدي الغابر ينادم قبريهما و يترنم بهذا الشعر.

معجم البلدان، ج: ٣، ص:١٩. "راوند"

میں کسی چوتھے کو شریک کرنے کے روادار نہ تھے۔ اُن کی محبت کو نظر لگی اور ایک اسدی جوان کا انتقال ہو گیا۔ یہ دیہاتی لڑکا اور ایک اسدی باقی رہ گیا۔ یہ دونوں شام کو اُس کی قبر پر بیٹھتے، اُسے یاد کرتے اور رو دیتے۔ دور شروع ہوتا، پینے والے دو ہوتے لیکن پیالے حسب سابق تین ہی بھرے جاتے یہ دونوں اپنے حصے کی مے پیتے اور پھر تیسرا پیالہ اٹھا کر اس باوفا کی یاد میں اُس کی قبر پر لنڈھا دیتے۔ وہ اُس محفل میں نہیں آسکتا تھا لیکن یہ دونوں اُس کی قبر پر جا سکتے تھے۔ وہ پینے سے محروم تھا لیکن یہ تو اُس کا حصہ اُسے پہنچاتے تھے۔

وقت گزرا اور ابھی یہ زخم مندمل نہ ہوا تھا کہ اُس دیہاتی لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا پہلے تین دوست اور کوئی قبر نہ تھی۔ پھر ایک قبر تھی دو دوست تھے اور اب دو قبریں تھیں اور اکیلا اور تنہا ایک دوست تھا۔ لیکن پہلے تین جام تھے، پینے والے بھی تین ہی تھے، پھر پینے والے دو رہ گئے اور جام تین ہی بنتے رہے۔ اب پینے والا ایک رہ گیا تھا لیکن یہ جام اب بھی تین ہی بناتا تھا۔ ایک خود پیتا اور باقی دو اپنے یاروں کی یاد میں اُنہی کی قبروں پر لنڈھا دیتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب بھی وہی محفل جمے، اپنے یارانِ باوفا کی محبت سے لطف اندوز ہو مگر موت نے عمر بھر اکٹھے رہنے کے عہد و پیمان کو مٹا دیا اور در و بام پر تاریکی چھا گئی۔

جمے گی کیسے بساطِ یاراں کہ شیشۂ و جام بجھ گئے ہیں
سجے گی کیسے شبِ نگاراں کہ دل سرِ شام بجھ گئے ہیں
وہ تیرگی ہے رہِ بتاں میں، چراغِ رخ ہے نہ شمعِ وعدہ
کرن کوئی آرزو کی لاؤ کہ سب در و بام بجھ گئے ہیں
بہت سنبھالا وفا کا پیماں مگر وہ برسی ہے اب کے برکھا
ہر ایک اقرار مٹ گیا ہے، تمام پیغام بجھ گئے ہیں

ایک رات کو وہ بہت دیر تک پیتا رہا اور اپنے دونوں دوستوں کی قبروں پر بھی جام لنڈھاتا رہا۔ آخرِ کار صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور اپنے اِن یارانِ مے کش کی قبروں پر اُس نے یہ مرثیہ پڑھا۔

نَدِيمَيَّ هُبَّا طَالَمَا قَدْ رَقَدْتُمَا

أَجِدَّكُمَا لَا تَقْضِيَانِ كَرَاكُمَا

أَجِدَّكُمَا مَا تَرْثِيَا لِمُوجَعٍ

حَزِينٍ عَلَى قَبْرَيْكُمَا قَدْ رَثَاكُمَا

أَلَمْ تَعْلَمَا مَا لِيْ بَرَاوَنْدَ كُلِّهَا

وَلَا بِخُرَاقٍ مِنْ صَدِيقٍ سِوَاكُمَا

جَرَى النَّوْمُ بَيْنَ الْعَظْمِ وَالْجِلْدِ مِنْكُمَا

كَأَنَّكُمَا سَاقِيْ عُقَارٍ سَقَاكُمَا

أُصُبُّ عَلَى قَبْرَيْكُمَا مِنْ مُدَامَةٍ

فَإِلَّا تَذُوقَاهَا تُرَوِّ ثَرَاكُمَا

أَلَمْ تَرْحَمَانِيْ أَنَّنِيْ صِرْتُ مُفْرَداً

وَأَنِّيْ مُشْتَاقٌ إِلَى أَنْ أَرَاكُمَا

فَإِنْ كُنْتُمَا لَا تَسْمَعَانِ فَمَا الَّذِيْ

خَلِيلَيَّ عَنْ سَمْعِ الدُّعَاءِ نَهَاكُمَا؟

أُقِيْمُ عَلَى قَبْرَيْكُمَا لَسْتُ بَارِحاً

طِوَالَ اللَّيَالِيْ أَوْ يُجِيبَ صَدَاكُمَا

وَأَبْكِيكُمَا طُوْلَ الْحَيَاةِ، وَمَا الَّذِيْ

يَرُدُّ عَلَى ذِيْ عَوْلَةٍ إِنْ بَكَاكُمَا؟

میرے کش! دوستو اب اٹھو، تم تو بہت سو چکے، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ

تمہاری یہ نیند اب کبھی بھی ختم نہیں ہوگی۔

تم دونوں مجھ سے بچھڑنے کے غم میں کوئی مرثیہ نہیں پڑھتے، لیکن دیکھو اِن قبروں پر میں دکھ کا مارا تمہارا مرثیہ پڑھ رہا ہوں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں تھا کہ اِس پورے ''راوند'' میں میرا کوئی بھی نہیں، پھر مجھے اکیلے چھوڑ کر کیوں چل دیے؟ اِس خزاق (شہر) میں تم دونوں کے علاوہ میرا اپنا کون تھا؟ یہ نیند تمہاری ہڈیوں اور جلد کی گہرائی میں اُتر گئی ہے اور تم دونوں موت کی شراب سے ایسے مدہوش ہو گئے ہو جیسے کہ میں خود تم دونوں کو پلایا کرتا تھا۔ میں ہمیشہ یہ جام تمہاری قبروں پر لنڈھاتا رہوں گا، میرے دوستو اگر تم نہیں پیو گے تو بھی یہ شراب تمہاری قبروں کی تہہ کو تو گیلا کر دے گی۔ کیا تمھیں میری تنہائی پر بھی ترس نہیں آتا؟ میں اکیلا رہ گیا ہوں، آجاؤ، میرے شوق کا اعتبار کرو میں اب بھی تمھیں ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم دونوں میرے اِس مرثیہ کو نہیں سُنتے تو مجھے بتاؤ تو سہی آخر کس نے تمھیں روک رکھا ہے کہ یہ تمہارہ جانے کی شکایت بھی تمھیں نہ سُنا سکوں۔

میں تو بس اب اِن قبروں سے کہیں جانے والا نہیں ہوں، زندگی کی یہ طویل راتیں تمہارے ساتھ ہی گزریں گی یا پھر کوئی اُلّو[1] ہی مجھے جواب دے گا۔

جب تک زندگی ہے، میں تمھیں یاد کر کے روتا رہوں گا۔ اور میرے دوستو نوحہ گر کو بھلا کوئی کب باز رکھ سکا ہے کہ وہ نہ روئے۔

---

[1] شعر میں ''صدیٰ'' کا لفظ ہے، جس کا ترجمہ اُلّو سے کیا گیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی شخص ظلم کی وجہ سے مارا جاتا ہے تو پھر اُس کی روح بھٹکتی ہوئی ویرانوں میں چلی جاتی ہے اور اُلّو کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہ اُلّو اُس وقت تک بولتا رہتا ہے جب تک کہ اس مظلوم کا انتقام نہ لے لیا جائے۔

1

ایک سنگین غلطی

محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الحاری ۲۳ شعبان ۴۶۸ھ میں موجودہ اسپین (SPAIN) کے شہر اشبیلیہ (SEVILLE) میں پیدا ہوئے، اہل علم کے ہاں ان کی شہرت قاضی ابوبکر ابن العربی یا "ابن العربی" کے نام سے ہے۔ دستور زمانہ کے مطابق انہوں نے تعلیم حاصل کی اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے "احکام القرآن" کے نام سے چار جلدوں میں قرآن کریم کی ان آیات کی تفسیر لکھی جن آیات سے شرعی احکامات ثابت ہوتے ہیں۔ صحیح ترمذی کی شرح "عارضة الاحوذی" کے نام سے تیرہ جلدوں میں تحریر فرمائی۔ متعدد موضوعات پر متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں لیکن وہ کتابیں یا تو وقت کے ساتھ ساتھ ناپید ہوگئیں اور یا پھر ابھی تک کتب خانوں میں تحریری شکل میں موجود ہیں اور موجوداتِ مسلمہ میں ایسے جویائے علم نہیں ہیں، جو ان خزانوں کو منظر عام پر لا سکیں۔

مسلکاً مالکی تھے اور اپنے دور کے ممتاز علماء میں ان کا شمار ہوا۔ "مغیلہ" میں ربیع الاول ۵۴۳ھ میں انتقال ہوا۔

تاریخ کے موضوع پر انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے؛

"العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابة بعد وفاة النبی صلی الله علیه وسلم"

اس کتاب میں ''سقیفہ بنوساعدہ'' میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے لیکر واقعہ کربلا تک کی تاریخ کے کچھ پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

خلیفۂ عادل حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے بیٹے یزید بن معاویہ کی انہوں نے خوب خوب تعریف کی ہے اور لکھتے ہیں[1]:

''اور دیکھو یہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کی دنیا سے بے رغبتی اور تقویٰ کی وجہ سے دین میں، ان کا بلند مقام ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''الزہد'' میں ''یزید بن معاویہ'' کی روایت کا ذکر کیا ہے اور وہ (یزید) اپنے خطبے میں یہ فرماتے تھے:

''لوگو! تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے اور اس کی بیماری آخری درجے تک پہنچ جائے، اس پر رعشہ طاری ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے اعمال پر غور کرے۔ جو عمل سب سے بڑی نیکی ہو بس اسے جاری رکھے اور جو کام گناہ کا سب سے بڑا ہو، اسے چھوڑ دے''۔ اُن (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ خطبہ اپنی کتاب ''کتاب الزھد'' میں نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ان (یزید) کا بڑا مقام تھا، یہاں تک کہ امام نے اسے (یزید کو) ایسے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی صف میں لا کھڑا کیا ہے، جو دنیا کی محبت سے پاک تھے اور جن حضرات کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے وعظ سن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کمال کیا ہے کہ ان (یزید) کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

---

[1] وھذا أحمد بن حنبل۔ علی تقشفه و عظیم منزلته فی الدین وورعه۔ قد أدخل عن یزید بن معاویة فی (کتاب الزھد) أنه کان یقول فی خطبته: ((إذا مرض أحدکم مرضاً فأشفی ثم تماثل، فلینظر إلی أفضل عمل عنده فلیلزمه، ولینظر إلی أسوأ عمل عنده فلیدعه)) وھذا یدل علی عظیم منزلته عنده حتی یدخله فی جملة الزھاد من الصحابة والتابعین الذین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم. ونعم، ما أدخله إلا فی۔

فہرست میں داخل کر دیا ہے حالانکہ ہنوز وہ تابعین کے ذکر سے فارغ نہیں ہوئے تھے۔کہاں یہ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی) تعریف یزید کیلئے اور کہاں مورخین کی وہ روایات جن میں یزید کے شراب پینے اور مختلف گناہوں میں ملوث ہونے کا تذکرہ ہے۔ انہیں شرم نہیں آتی؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان مورخین کی مروت اور حیاء کو سلب کرلیا ہے تو پھر کیا کہا جائے؟ تاریخ لکھنے والو کیا (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) تمہارے رونگٹے نہیں کھڑے ہو جاتے (جب تم امیر یزید کے متعلق جھوٹی روایات کی پیروی کرتے ہو) اور اس پر تہمتیں لگاتے ہو؟ صوفیوں کی روایات کی پیروی کرتے ہو اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے علماء امت کی روایت کو چھوڑ دیتے ہو۔

قاضی ابوبکر ابن العربی کی کتاب سے مندرجہ بالا اقتباس پڑھ کر قاری کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ”یزید“ جیسے بدزمانہ شخص کے لیے ان کے قلم سے یہ ”منقبت نامہ“ کیسے لکھا گیا؟ کیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے واقعی ”کتاب الزھد“ میں یزید بن معاویہ کی تعریف کی ہے؟ اور اگر واقعی تعریف کی ہے تو اُن کا مسلک یزید کے بارے میں کیا تھا؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ قاضی ابوبکر ابن العربی کا تعلق ”نواصب“ سے تھا اور اس معاملے میں وہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک سے ہٹ گئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ ”فتاویٰ عزیزی“ میں تحریر فرماتے ہیں:

نواصب فرقہ جدا است ورائے خوارج ور — نواصب، یہ خوارج سے ایک الگ فرقہ ہے۔

۔ جملة الصحابة، قبل أن يخرج إلى ذكر التابعين. فأين هذا من ذكر المؤرخين له في الخمر وأنواع الفجور، ألا تستحيون؟! وإذا سلبهم الله المروءة و الحياء، ألا ترعوون أنتم و تزدجرون، و تقتدون بالأحبار والرهبان من فضلاء الأمة، وترفضون الملحدة والمجان من المنتمين إلى الملة.

(العواصم من القواصم، ص: ٢٣٥).

مغرب و شام بسیار بوده اند و متوکل عباسی ووزیر او علی ابن جہم نیز از جملہ نواصب ست خوارج جمیع مقاتلین را از صحابہ، ہچو طلحہ وزبیر وامیر المومنین علی المرتضیٰ ومعاویہ وعمرو بن العاصؓ را تکفیر میکنند و نواصب محض عداوت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و ذریت طاہرہ او شعار خورد ارند واز متاخرین حافظ معتزلی نیز ناصبی است۔

(کیفیت نواصب وخوارج، ج: ۱، ص: ۱۰۷)

مغرب اور شام میں بڑی تعداد میں تھے۔ خلیفہ المتوکل عباسی اور اس کا وزیر علی بن جہم بھی ناصبی تھا خوارج ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن میں آپس کی جنگیں ہوئی تھیں، یعنی حضرت طلحہ ،زبیر، امیر المومنین علی المرتضیٰ، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ،کو کافر کہتے ہیں اور ''نواصب'' نے صرف امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ سے دشمنی کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ متاخرین میں یہ حافظ مغربی (ابو بکر ابن العربی) بھی ناصبی ہے۔

ان ''نواصب'' کی ایک تعریف شیخ الاسلام ابن تیمیہ نور اللہ مرقدہ نے بھی کی ہے۔

الـذين يزعمون ان الحسين كان خار جيا وانه كان يحوز قتله.

(منهاج السنة النبوية (فصل: قال الرافضى) و توقف جماعة، ج: ۲، ص: ۲۵٦)

(نواصب وہ ہیں) جن کا گمان یہ ہے کہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما باغی تھے، اور ان کا قتل جائز تھا۔

اِس لیے ناصبیوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اُنہیں خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اُنکی اولاد سے بغض ہے، ان کی توہین کرتے ہیں اور ان حضرات کے دشمنوں کی ہمیشہ تعریف کرتے ہیں۔

تو چونکہ حافظ ابوبکر ابن العربی ناصبی تھے، اِس لیے اپنے اس عقیدہ کی رو سے ان کا فرض بنتا تھا کہ نہ صرف ''یزید'' کا منقبت نامہ لکھیں بلکہ سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ تعالی عنہما کی تنقیص بھی کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب، "کتاب الزھد" (جس کا حوالہ حافظ ابوبکر ابن العربی ناصبی نے دیا ہے) تاحال، مکمل طور پر ایڈٹ (EDIT) ہو کر مارکیٹ میں نہیں آئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں[1]:

فانہ کتاب کبیر یکون فی قدر ثلث المسند.	یہ "کتاب الزھد" بڑی کتاب ہے اور تقریباً مسندِ احمد کی ایک تہائی کے برابر ہے۔

البتہ اِس کی تلخیص چھپ گئی ہے جو کہ "الندوہ" کی لائبریری میں موجود ہے اور "المکتبۃ الشاملہ" میں انٹرنیٹ (INTER NET) پر آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے، اس پوری کتاب الزھد میں سرے سے "یزید بن معاویہ" نام کے کسی شخص کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اِس لیے فی الحال یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ یزید اتنا پارسا تھا کہ وہ طبقہ زہاد اور تابعین کے تذکرے میں سرفہرست تھا۔

اس قضیے کی اصل حقیقت کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ جناب حافظ ابوبکر ابن العربی کو اشتراکِ اسمیت کی وجہ سے دھوکہ ہوگیا ہے۔ ایک یزید بن معاویہ یہ بدنام زمانہ شخص ہے اور ایک اسی نام کے جلیل القدر تابعی حضرت یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ اپنے زمانہ کے بڑے زاہد و مرتاض بزرگ تھے۔ اتنے عبادت گزار تھے کہ حضرت اویس قرنی، ربیع بن خیثم، کمیل بن زیاد اور یہ یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین زھد وتقویٰ میں ہم پلہ، تابعین شمار کیے جاتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان "یزید بن معاویہ" سے اپنی "صحیح" میں روایت بھی نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التھذیب میں اُن کی توثیق بھی کی ہے اور اُن کی شہادت کا بھی ذکر کیا ہے۔

دونوں شخصیات میں بُعد المشر قین ہے۔ کہاں وہ یزید بن معاویہ جس کے مومن یا کافر ہونے کی بحث آئمہ مجتہدین رحمھم اللہ کے درمیان رہی اور کہاں یہ یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعی اور

---

[1] تعجیل المنفعہ. مقدمہ المولف. ج:۱، ص۲۴۳.

نہایت ثقہ، زاہد و عابد ہستی، اس یزید کا تعلق بنوامیہ سے تھا اور یہ نخعی تھے۔ وہ یزید شام میں حکمران تھا اور یہ کوفہ کے رہنے والے تھے اس لیے حافظ ابوبکر ابن العربی کو دونوں حضرات کے نام اور ولدیت ایک ہی ہونے کی وجہ سے شبہ پڑ گیا ہے اور انہوں نے یزید بن معاویہ شامی کو یزید بن معاویہ کوفی نخعی رحمۃ اللہ علیہ تصور کر لیا۔

یزید بن معاویہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پڑھ کر با آسانی اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اعمال صالحہ سے تمسک کا یہ وعظ، یزید بن معاویہ نخعی رحمۃ اللہ ہی کر سکتے تھے، یزید بن معاویہ شامی نہیں، اسے ذرا بھی فکرِ آخرت ہوتی تو اہل مدینہ رحمھم اللہ کے خون سے اپنے ہاتھ نہ رنگتا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یزید شامی کے بارے میں نہایت واضح تھا کہ وہ اُسے مسلمان ہی نہیں سمجھتے تھے اور اس پر لعنت کو جائز قرار دیتے تھے۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حنبلی مسلک کو کون جانتا تھا؟۔ ایک وقت ایسا آیا جب کچھ حنبلیوں نے یزید کی تعریف اور اس کی شان میں قلابے ملانے شروع کیے، جیسے کہ ہمارے دور میں کچھ حنفی علماء یزید کے لیے امیر المومنین اور رحمۃ اللہ علیہ جیسے معزز الفاظ استعمال کرنے لگ گئے ہیں (معاذ اللہ) تو امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اُن پر برسے ہیں اور اس ضمن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی ذکر کیا ہے۔
تحریر فرماتے ہیں:[1]

> ”آپ لوگوں نے حنبلی مسلک کو بہت بدزیب لباس اوڑھا دیا ہے اور اس کی وجہ سے یہ مسلک اتنا بدنام ہو گیا ہے کہ) کہ کسی شخص کے حنبلی ہونے کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص یقیناً اللہ تعالیٰ کی تجسیم کا قائل ہوگا، پھر رہی سہی کسر آپ حنبلیوں نے اس وقت پوری کر دی جب آپ نے یزید بن معاویہ کے معاملے میں تعصب (اس کی تعریف و توصیف) اختیار کر کے اس مسلک کو داغدار کر دیا۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ صاحب مذہب

ا۔ کسیتم هذا المذهب شيئاً قبيحاً، حتى صار لا يقال عن حنبلي إلا مُجسِّم، زينتم مذهبكم أيضاً بالعصبية ليزيد بن معاوية وقد علمتم أن صاحبَ المذهبِ أجاز لعنته. وقد كان أبو محمد ......

(امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) نے اس (یزید) پر لعنت کرنے کی اجازت دی ہے۔اور اسی وجہ سے ابو محمد التمیمی نے آپ کے مسلک کے بعض علماء کے متعلق یہ لکھا ہے کہ انہوں نے مسلک حنبلی (پر یہ دو داغ ایسے لگائے ہیں) کہ اس کو داغدار کر دیا ہے اور داغ بھی ایسے جو اب قیامت تک نہیں دھل سکتے۔

سو، سوچنے کی بات ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص (یزید) کو ملعون قرار دیں اور پھر اس کی ''کتاب الزھد'' میں تعریف بھی کریں یہ کیسے ممکن ہے؟

اس لیے حافظ ابو بکر ابن العربی ناصبی سے یقیناً تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے نام اور ولدیت کے یکساں ہونے کی وجہ سے، دونوں میں فرق نہیں کیا۔

کیا یہ احتمال بھی ہے کہ حافظ ابو بکر ابن العربی ناصبی نے قصداً ایسے کیا ہو؟

اس بات کا فیصلہ کرنا کچھ آسان نہیں کیونکہ ایسے شواہد میسر نہیں کہ اس بات کو ثابت کیا جا سکے۔البتہ یہ بات ان کے بارے میں طے ہے کہ وہ مختلف روایات کو آپس میں ملا کر کچھ سے کچھ کر دیتے تھے۔

اشبیلیہ میں مختلف فقہاء کرام جمع تھے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خود'' پہننے کا ذکر آیا تو ایک فقیہ نے ابو بکر ابن العربی سے کہا ''اس روایت کو سوائے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں، اور کوئی ذکر نہیں کرتا''۔

ابن العربی فرمانے لگے:

اس حدیث کی سند۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سند کے علاوہ۔ میرے پاس تیرہ مختلف طریقوں سے موجود ہے۔

فقہاءِ مجلس نے کہا ''وہ تیرہ سندیں بھی ارشاد ہوں'' لیکن جملہ جو زبان سے صادر ہو چکا تھا، اُسے سچا

...... التمیمی یقول فی بعض أئِمَتِکُم.لقد شَانَ المذهبَ شینًاقبیحًالا یُغسَلُ اِلیٰ یوم القیامة.

(العقیده و علم الکلام من أعمال الامام زاهد الکوثری ، دفع شبهة التشبیه مقدمةالمولف، ص:د).

ثابت نہ کر سکے۔

اس واقعے کو ایک ادیب اور شاعر خلف بن حمر نے منظوم کیا ہے:[1]

یا اهل حمص و من بها او صیکم	بالبر و التقوی و صیة مشفق
فخذوا عن العربی اسمار الدجی	وخذوا الروایة عن امام متقی
ان الفتی حلو الکلام مهذب	إن لم یجد خبرا صحیحا یخلق

”اے حمص کے باشندو اور جو بھی وہاں ہو، اُسے میں ایک شفقت کرنے والے بزرگ کی طرح نیکی کرنے اور تقویٰ پر قائم رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔

اس جوان ابوبکر ابن العربی سے رات کو کہنے والے قصے اور کہانیاں تو سن لیں لیکن اگر حدیث کی روایت کرنی ہو تو ہمیشہ کسی متقی امام ہی سے کیجئے۔

کیونکہ یہ لڑکا میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے اور بہت رکھ رکھاؤ والا ہے لیکن کسی بحث میں اِسے صحیح حدیث نہ مل رہی ہو تو پھر اپنے پاس سے جھوٹی روایت بھی گھڑ لیتا ہے۔

اِس پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ بھی ملاحظہ ہو:[2]

”یہ ایک سادہ سی حکایت ہے جس سے حافظ ابوبکر ابن العربی پر جرح نہیں کی جا سکتی شاید انہیں وہم ہوا ہو اور ان کا دماغ کسی اور حدیث کی روایت کی طرف چل پڑا ہو، اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق اس حدیث کی (تیرہ سندوں) کا تذکرہ کر دیا ہو اور (یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ) شعراء جھوٹی روایات گھڑتے ہی رہتے ہیں“۔

قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی کو شاید یہاں بھی یہی وہم پیش آ گیا ہو اور وہ یزید بن معاویہ نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے یزید بن معاویہ اموی شامی کا ذکر کر بیٹھے ہوں۔

1۔ تذکرة الحفاظ للذهبی، ج: ٤، ص، ١٢٩٧.

2۔ قلت: هذه حکایة ساذجة لا تدل علی جرح صحیح، ولعل القاضی وهم و سری فکره الی حدیث فظنه هذا و الشعراء یخلقون الإفك. (تذکرة الحفاظ للذهبی، ج: ٤، ص، ١٢٩٧).

②

تنفیذِ قوانین

جب سے یہ کائنات بنی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو قانون کا پابند بنایا ہے۔ پانی میں کچھ خواص رکھے ہیں جو فولاد میں نہیں ہیں اور فولاد میں وہ خصوصیات رکھی ہیں جو آگ میں نہیں ہیں۔ بارشوں اور فصلوں کے قوانین میں پانی ہریالی کو پیدا کرتا ہے اور ہریالی غذا فراہم کرتی ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کی گردشیں متعین ہیں اور وہ نامعلوم مدت سے اپنے اپنے راستے پر سفر کر رہے ہیں۔ کیا مجال ہے کہ اِن کی رفتار میں ایک لمحے یا ایک ذرے کا فرق پایا جائے، ایسے کیوں ہے؟

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں قوانین کا پابند بنایا ہے اور یہی قوانین کی پابندی، اللہ تعالیٰ کو خود انسان سے بھی مطلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان ایک منظم زندگی (Disciplined Life) گزارے، جو قوانین اُس نے بنائے ہیں اُن کے مطابق جیئے، اپنے حصے کی خوراک کھائے اور دوسرے کے حصے کو ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ وسیع وعریض زمین کے خطے میں سے صرف اتنی ہی زمین اپنے پاس رکھے جسے رکھنے کا حق اللہ تعالیٰ ہی نے اسے دیا ہے، بقیہ زمین کو بقیہ مخلوق کے لیے چھوڑ دے۔ مردوں اور عورتوں کے متعلق اُس نے قانون بنایا ہے کہ ایک دوسرے سے اختلاط کا جواز، نکاح فراہم کرتا ہے اگر اختلاط کا جواز نہیں ہے تو پھر وہ اپنی حدود میں رہیں اگر وہ اس قانون کو توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا حق ضائع کر دیں گے۔

یومِ ولادت سے لیکر موت تک، اور گھر کے کمرے سے لیکر سلطنت اور بادشاہت تک کے قوانین اُس

نے بتائے ہیں اور جو شخص ان قوانین میں تنگی محسوس کرتا ہے پھر کائنات میں اِس شخص کے لیے کہیں بھی وسعت نہیں ہے اور جو شخص قانون شکنی کرتا ہے، اُسے اِس بھیانک جرم کا انجام بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

قانون کے دو دائرے ہیں، ایک دائرہ فرد کی زندگی پر محیط ہے اور دوسرا دائرہ ریاست کھینچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اصل میں مطلوب یہ ہے کہ فرد اپنی زندگی کے دائرے میں رہ کر اُس کے حکم کے مطابق قانون کی پابندی کرے۔ اپنے رزق کے لیے جدوجہد کرے لیکن حصولِ رزق کی کاوش میں کسی کے حق کو نہ مارے۔ اپنی عفت کو قائم رکھنے کے لیے نکاح کرے لیکن جبر یا دھوکے کا ارتکاب نہ کرے۔ زمین در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، اس نے اس عارضی زندگی میں جتنے ٹکڑے پر اختیار دیا ہے، اُس اختیار کو محدود پیمانے پر استعمال کرے، مزید زمین چاہیئے تو خرید لے لیکن جبر سے قبضہ کرنا، بالکل درست نہیں ہے۔

عبادت کا وقت اور طریقہ متعین کر دیا ہے، اس کی پابندی کرے۔ اِن اوقات میں اپنی رائے سے تبدیلی اور اِس طریقے کو اپنی مرضی سے متعین کرنا، قانون کا خون کرنا ہے۔ اس لیے فرد خود اپنی زندگی میں صحیح علم کو صحیح عمل کے سانچے میں ڈھالے اور اِیسا مثالی فرد بنے کہ دشمن تو درکنار جانور تک، اس سے مامون رہیں۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے جو جماعت (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تیار ہوئی تھی، اِس کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان میں، کا ہر ہر فرد قانون کا پابند تھا۔ خلیفۂ وقت سے لیکر عام شہری تک کوئی قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا اور ہر ہر فرد کی زندگی پر قانون کا دائرہ، محیط تھا۔ غیر مسلموں تک کے خون، مال اور عزت کا احترام، یہ کہہ کر سکھایا گیا تھا کہ:[1]

"اگر کسی نے ایسے غیر مسلم کو قتل کر دیا جسے امان دی گئی تھی، تو پھر وہ قاتل تو جنت کی خوشبو بھی

---

[1] عن عبد اللہ بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: من قتل نفسا معاهدا لم یرح رائحة الجنة، وإنّ ریحها یوجد من مسیرة أربعین عاما.

(اثم من قتل ذمیا بغیرجرم، رقم الحدیث: ٦٩١٤، ص: ١٣٩٦).

نہیں سونگھ سکے گا اور جنت کی خوشبو تو چالیس برس کی مسافت تک آتی ہے"۔

دوسری روایت میں جنت کی خوشبو کے ستر برس تک کی مسافت پر پہنچنے کا تذکرہ آیا ہے، تیسری روایت میں سو برس، چوتھی روایت میں پانچ سو برس اور پانچویں روایت میں ایک ہزار برس کی مسافت تک جنت کی خوشبو کے پہنچنے کا تذکرہ ملتا ہے[1]۔

غیر مسلم ممالک میں جب مسلمان سفارت خانے اپنے اپنے ممالک کے ویزے غیر مسلموں کو دیتے ہیں، تو یہ ایک معاہدہ ہے، امان ہے کہ اس غیر مسلم کو ہمارے ملک میں جانے کی اجازت ہے اور اس کی جان، مال اور آبرو کو ہماری طرف سے تحفظ حاصل ہے۔ جب تک کہ یہ خود کسی جرم کا ارتکاب نہ کرے۔

پھر اس معاہدے اور امان کے بعد کسی بھی غیر مسلم کو اسلامی ریاست میں بغیر کسی جرم کے کیسے قتل کیا جا سکتا ہے؟ یہ کون سا دین، مذہب اور اسلام ہے جو اپنے ماننے والوں کو قانون شکنی کی تعلیم دیتا ہے؟ ایسا قتل لوگوں کی اپنی سوچ کا نتیجہ ہے، اسلام اس طرزِ عمل سے بیزار ہے۔

ہرگز باور نمی آید زروے اعتقاد
ایں ہمہ کردن و دین پیمبر داشتن

(میرے عقیدے کے مطابق، میرے لیے یہ بات ہرگز قابل یقین نہیں ہے کہ کوئی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان بھی رکھتا ہو اور پھر اُس کے کرتوت یہ ہوں)

اسلام تو یہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے اگرچہ اس کی خوشبو چالیس سے لیکر ایک ہزار برس تک کی مسافت پر لوگوں کو پہنچے گی، مسافت میں اختلاف (چالیس برس سے لیکر ایک ہزار برس تک کا) غالباً افراد کی اپنی اپنی حالت کے مطابق ہے جو زیادہ نافرمان ہوگا اُسے زیادہ فاصلے پر اور جو کم ہوگا اُسے کم مسافت سے خوشبو پہنچے گی۔

---

[1] ان تمام روایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری. ج: ۱۲، ص: ۲۵۹، کتاب الدیات، باب: اثم من قتل ذمیا بغیر جرم، رقم الحدیث: ۶۹۱۴.

اسی وجہ سے پوری خلافتِ راشدہ میں غیر مسلم حضرات کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے واقعات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

فرد جب خود اپنے اوپر (طوعاً او کرہاً) قانون کو نافذ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں پسندیدہ فرد بن جاتا ہے اور جب اس کی تنہائیوں سے لیکر معاشرے تک کی زندگی قانون کے دائرے میں رہتی ہے تو پھر اُسے اِس دنیا میں ہی مقامِ قرب سے نواز دیا جاتا ہے۔ وہ یہیں جنت کے انعامات کو محسوس کرنے لگتا ہے، اور وہاں کی خوشبو اِس کی روح سونگھنے لگتی ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی" رحمة الله عليه و متعنى الله بعلومه و بمعارفه " المتوفی ۶۳۸ھ نے اپنے چچا ابو محمد عبداللہ بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے اور صبح کے وقت فرماتے تھے کہ صبح صادق ہوگئی۔ میں ان سے دریافت کرتا تھا کہ (بند کمرے میں) آپ کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ (باہر) صبح ہوگئی ہے۔

تو فرماتے تھے[1]:

> "میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ (رات کو) ایک ہوا کو چلاتا ہے جو عرش کے نیچے سے ہو کر جنت میں جاتی ہے، اور جب صبح صادق ہوتی ہے تو اس کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ روزانہ ایسے ہی ہوتا ہے اور ہر مومن انسان روزانہ اس (خوشبو) کو سونگھتا ہے"۔

یہ خوشبو حضرت ابو محمد عبداللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کو پو پھٹنے کی خبر دیتی تھی اور بقول اُن کے ہر مومن کو روزانہ یہ خبر ملتی ہے، کیوں؟ اس لیے کہ مومن بحیثیت فرد اپنے آپ کو قانونِ الٰہی کا پابند رکھتا ہے۔ قوانین کی یہ پابندی اس کو ایسے جہان کی خبریں بھی پہنچا دیتی ہے، جس جہاں تک رسائی صرف مومن

ا۔ وكان رحمة الله، يجلس في البيت، فيقول: "قد طلع الفجر" فسألته: "من أين تعرف ذلك؟" فقال: "يا بني، إن الله، تعالىٰ يوجه ريحا من تحت العرش، تهب في الجنة، فتخرج بريحها عند طلوع الفجر، يشمها كل مؤمن، في كل يوم".

(روح القدس، ص: ۳۱۵).

ہی کی ہو سکتی ہے۔ قانون توڑنے والے افراد کا اس جہاں سے کوئی گذر نہیں ہوتا۔ نہ وہ وہاں کے نظارے دیکھ سکتے ہیں، نہ وہاں کی آوازیں سن سکتے ہیں اور نہ ہی وہاں کی خوشبو اور انعام سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کو ہر ہر فرد سے یہ مطلوب ہے کہ وہ خود اپنے اوپر قانون کو نافذ کرے اور حکومت اور تکوینی قوانین کو یہ موقع نہ دے کہ وہ جبراً اپنے قوانین اس باغی فرد پر نافذ کریں۔

قانون شکن افراد اپنی زندگی اور آخرت تو برباد کرتے ہی ہیں وہ ان لوگوں کے لیے بھی باعث ایذاء بنتے ہیں، جو زندگی قاعدے اور قانون کے مطابق گذارنا چاہتے ہیں وہ اپنی آزادی کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اپنے فرائض سے کوتاہی برتتے ہیں جس کے نتیجے میں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ حکومت سے مدد حاصل کی جائے۔ فرد خود قانون کو نافذ نہیں کر سکتا۔ اسلام اسے یہ اجازت نہیں دیتا کہ حدود کا نفاذ اپنے ذمے لے لے۔ اس مظلوم کے پاس:

(1) پہلی راہ تو یہ ہے کہ صبر کرے، صبر اتنی بڑی طاقت ہے کہ جب اس کا کوڑا ظالم پر برستا ہے تو اس کی ساری قوت کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

(2) دوسری راہ یہ ہے کہ ظالم کو معاف کر دے۔

(3) تیسری راہ یہ ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کرے کہ اس ظلم کو روکا جائے۔

(4) چوتھی راہ یہ ہے کہ اگر حکومت کوتاہی برتتی ہے تو اسے تبدیل کرنے کی پُر امن جدوجہد کرے۔

(5) پانچویں راہ یہ ہے کہ وہ حکومت کے علاوہ معاشرتی سطح پر کوشش کرے کہ اس ظلم سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

(6) اور چھٹی راہ یہ ہے کہ وہ اس ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہجرت کر جائے۔

لیکن جب تک اسے یہ قطعی یقین نہ ہو کہ وہ پہلے سے بہتر نظام نافذ کرنے کی صلاحیت اور کامیابی سے

ہمکنار ہونے کے اسباب و وسائل رکھتا ہے ہرگز ہرگز تصادم کی راہ اختیار نہ کرے کیونکہ اس کا انجام اپنے وقت، مال اور صلاحیتوں کے ضیاع اور دیگر ادارے جو دین کا کام کر رہے ہیں ان کیلئے مصائب و مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ عدالتوں میں ایسے افراد مقرر کرے جو انصاف کے ساتھ فیصلے کریں۔ ایسے افراد قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں اور کبریتِ احمر کی طرح نایاب، لیکن قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں اُن اداروں میں پوشیدہ ہیں جو ادارے ایسی کبریتِ احمر تیار کرتے ہیں۔

جس وقت پوری دنیا میں رجالِ کار نایاب تھے، اس دور میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا کہ انہوں نے ان رجالِ کار کی صفوں کی صفیں تیار کر دیں اور اِنہی رجالِ کار کے ذریعے خلافت راشدہ وجود پذیر ہوئی۔ انہوں نے دنیا کو امن دیا، چین سے جینا سکھایا۔ ظلم کی شب دیجور تار تار ہوئی اور عدل و انصاف کی سحر نے اپنے رُخ سے نقاب اُٹھایا۔ یہ مفتی بھی تھے اور قاضی بھی، مفتی اور قاضی میں بنیادی فرق کیا ہے؟ مفتی فتویٰ تو دے سکتا ہے لیکن اسے نافذ نہیں کر سکتا اور قاضی حکومتی اختیارات کی وجہ سے اِسے نافذ بھی کر سکتا ہے۔ وہ شاہکار رجالِ کار جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیے اور جنہوں نے دنیا کا نظام بدل کر رکھ دیا، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جب دنیا کی مختلف قومیں ایک اور دو کی گنتی میں رجالِ کار کو گنتی تھیں، یہ صرف حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنہوں نے رجالِ کار کی، ایک پوری نسل تیار کر کے انسانیت کے حوالے کر دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

افراد کی اس کثرت اور اہلیت کے باوجود مسجدِ نبوی میں فتویٰ دینے کی اجازت صرف چار افراد کو تھی۔

① عمر ② علی ③ معاذ ④ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنھم۔

حضرت مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی فرماتے تھے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے دور میں ''قاضی'' کا منصب صرف چھ افراد کے پاس تھا۔

① عمر ② علی ③ عبد اللہ بن مسعود ④ ابی بن کعب ⑤ زید بن ثابت ⑥ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین[1]۔

منصبِ افتاء وقضاء کی نزاکت اور یہ احساس کہ آج کے فیصلے کل کے اٹل قوانین کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں، اِسی احتیاط کی متقاضی تھی اور قدسی صفات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دانائے سبل کون ہو سکتا تھا؟

عدالت کی کرسی اور قضاء کی چٹائی پر بٹھانے کے لیے اہل افراد کی حکومتوں کو کب ضرورت نہیں رہی؟ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دو گورنرز "حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو، اِسی نظام کو درست رکھنے کی غرض سے، گرامی نامہ تحریر فرمایا[2]۔

انظروا رجالاً صالحین فاستعملوهم علی القضاء وارزقوهم.

"اُن افراد کو تلاش کیجیے جو منصف (JUDGE) بننے کے اہل ہوں اور پھر ان سے عدالتوں کا کام لیجیے اور اُن کی (ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے) تنخواہیں مقرر کیجیے"۔

عدل وانصاف کے لیے دورِ فاروقی اِسی لیے ضرب المثل مانا جاتا ہے کہ اُن کی عدالتیں عدل کا ترازو تھیں۔ فیصلے انصاف کے مطابق ہوتے تھے اور یہ حقیقت بھی قطعاً نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ عوام کا مزاج، خود قانون کے مطابق زندگی گزارنے کا تھا۔ وہ حکومتی اور عدالتی فیصلوں کو صحیح اور درست مان کر ہر حال میں ــ عدالتی فیصلہ اُن کے حق میں ہو یا اُن کے خلاف ــ اِن فیصلوں کے نفاذ اور تعمیل کے لیے تیار رہتے تھے۔

---

[1] سیر اعلام النبلا ابو موسی اشعری، رقم: ۸۲، ج: ۲، ص: ۳۸۰.

[2] سیر اعلام النبلا معاذ بن جبل

جب تک مسلمانوں کا دورِ عروج رہا یہ حقیقت ہے کہ اُن کی عدالتیں بسا اوقات حکمرانوں کی نا اہلی کے باوجود عوام کو ہمیشہ انصاف مہیا کرتی رہیں۔ اس کی چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) عباسی دور میں ملکہ خیزران کو ایک عدالتی فیصلے کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے کوفہ کے قاضی شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۷۷ھ) سے رجوع کیا قادسیہ کے قریب ایک جگہ ''شاہی'' کے مقام پر ملکہ اور قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ سفر کی مشکلات کی وجہ سے ملکہ کو ''شاہی'' پہنچنے میں تاخیر ہوگئی حتیٰ کہ وہ وقتِ مقررہ سے تین دن بعد آئیں۔ قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ اپنے روٹیاں پکوا کر ساتھ لائے تھے۔ یہ خشک ہوگئیں اور وہ تین دن تک یہ خشک ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھاتے رہے اور سرکاری کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ مبادا کے فیصلہ ملکہِ وقت کے خلاف کرنا پڑ جائے اور اُس وقت ''منہ کھائے اور آنکھ شرمائے'' کے مصداق انصاف میں کوئی کوتاہی رہ جائے۔

(۲) عدالتیں ایسی آزاد تھیں کہ دریائے جیحون کہ اُس پار، ماوراء النھر میں مشہور مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کے شہر فرغانہ میں وہاں کے حکمران اور فوج کے کمانڈر مشطب بن فرغانی کسی مقدمے میں شہادت دینے کے لیے پیش ہوئے فرغانہ کے قاضی حضرت ابوبکر الحموی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس حاکم وقت کی شہادت رد کردی اور اس کی گواہی کو تسلیم نہیں کیا کیونکہ یہ ریشمی لباس پہنتا تھا، ریشمی لباس پہننا مرد کے لیے حرام ہے تو جو حکمرانِ وقت اور علاقہ کھلے بندوں ایسا گناہ کرتا ہو، مقدمے میں اُس کی گواہی کسی کے حق میں یا اُس کے خلاف کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔

مشطب بن محمد فرغانی گواہی کے رد کیے جانے پر بولے اور قاضی صاحب سے عرض کیا جناب والا خلیفۂ وقت اور وزیر اعظم نظام الملک بھی تو ریشمی لباس پہنتے ہیں۔

قاضی ابوبکر حموی نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ:[۱]

''اگر وہ دونوں بھی گواہ ہوتے، تو میں اُن کی گواہی کو بھی رد کردیتا''

۱۔ سیر اعلام النبلاء رقم ۴۷. الحموی. ج:۱۹. ص:۸۵.

(۳) جس شخص نے بھی عباسی خلفاء کی تاریخ پڑھی ہے، خوب جانتا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی کی سلطنت کیسی وسیع اور اس کی ٹھاٹھ کا عالم کیا تھا۔ اس نے حضرت محمد بن ابی المنظور انصاری کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ وہ قیروان کے عہدۂ قضا کو شرف بخشیں اور اِس مقصد کے لیے اپنے دو معتمد ارکانِ سلطنت اسمٰعیل قاضی اور حارث بن ابی اسامہ کو روانہ کیا۔ عمر بن ابی المنظور نے اِس پیغام کو سنا اور فرمایا اِس عہدے کو اِس شرط کے ساتھ قبول کرتا ہوں کہ نہ تو خلافت سے تنخواہ وصول کروں گا اور نہ ہی ان کی سواری کو استعمال کروں گا۔

خلیفہ منصور نے بخوشی اِن شرائط کو منظور کر لیا اور قیروان کی عدالت قاضی محمد بن ابی المنظور کے تحت کام کرنے لگی۔

ایک مقدمہ پیش ہوا اور قاضی صاحب نے ایک عورت کو قید کی سزا سنا دی، ایک دن گھر آئے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت ملاقات کی منتظر ہے۔ اس کی تعریف دریافت کی تو اُس نے کہا میں خلیفۂ وقت کی باندی اور اُن کی محبوبہ ہوں۔ میرا نام قضیب ہے اور اس لیے حاضر ہوئی ہوں کی عدالت نے جس عورت کو سزائے قید دی ہے، وہ میری سہیلی ہے، اُسے رہا کر دیا جائے۔

عدالت کے نظام اور قانون کے نفاذ میں خلیفۂ وقت کی محبوبہ مداخلت اور سفارش کرے، قاضی صاحب تو غصے کے مارے گویا کہ پھٹ پڑے اور تاریخ نے اِس غضب کے عالم میں، کے جو الفاظ محفوظ رکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

> ”گندی، مردار عورت، اگر اِس وقت کوئی چیز میرے پاس ہوتی، تو میں تجھے اس سے مارتا۔ پھٹکار پڑے اللہ کی تجھ پر اور اُس پر بھی جس کسی نے تجھے اِس مقصد کے لیے میرے پاس بھیجا ہے“

خلیفۂ وقت کی محبوبہ کے تصور سے بالا تھا کہ کوئی اُس کی یوں بھی توہین کر سکتا ہے۔ وہ بھی شدید غصے میں پلٹی اور مارے غضب کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ خلیفہ منصور کے پاس پہنچی اور سب کچھ کہہ سنایا

خلیفہ منصور نے جواب دیا[1]

”میں اِس قاضی کو کیسے سزا دے سکتا ہوں، وہ تو ہم سے تنخواہ تک نہیں لیتا، اور پھر دیکھو میں اُس کے عہدے سے بھی اُسے معزول نہیں کرسکتا کیونکہ ہم یہ خود چاہتے ہیں کہ ہماری مملکت میں قانون کی بالادستی قائم رہے“

اِس لیے یہ حکومت کے فرائض میں ہے کہ اگر کوئی فرد اپنے اُوپر قانون کو نافذ نہیں کرتا اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی برتتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرے لوگ تکلیف محسوس کرتے ہیں تو اِس ظلم کو روکنے اور مظلومین کی دادرسی کیلیے اِن افراد کو مقرر کرے جو بے لاگ فیصلہ کریں۔

اِن قاضیوں کا ذاتی کردار کیا تھا اس کی بھی تین مثالیں پڑھ لیجیے۔

(ا) قاضی ابو عبداللہ محمد بن علی الخیاط (درزی) رحمتہ اللہ علیہ نیشا پور کے قاضی القضاۃ (Chief Justice) تھے نیشا پور صوبے کے تمام قاضی انھیں کے تابع تھے۔ اپنی عدالتی مصروفیات سے واپس گھر آکر فارغ وقت میں شہر کے یتیم بچوں اور غریبوں کے کپڑے مفت سیتے تھے، رات گئے تک اس سلائی میں مصروف رہتے تھے اور اس سلائی کو اپنی طرف سے غریبوں کے لیے صدقہ سمجھتے تھے۔

جامع مسجد نیشا پور کے خادم محمد بن عبدان کا بیان ہے کہ وہ ہر ہفتے رات کو جامع مسجد حاضر ہوتے اور صبح تک عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ میرے علاوہ اُنھیں کوئی پہچان بھی نہیں پاتا تھا اور ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ قاضی صاحب تلاوت کے دوران جب اِس آیت پر پہنچے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. (پ: ٦، س: المائدۃ، آیت: ٤٤)	”اور جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے بس یہی لوگ کافر ہیں“۔

تو بار بار اِس کو پڑھتے تھے[2] اور ہر بار اپنے سینے پر اس زور سے ہاتھ مارتے تھے کہ اس ضرب کی آواز مجھے

---

[1] سیر اعلام النبلاء، المنصور رقم: ٦٧، ج: ١٥، ص: ١٥٦۔

[2] یہ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو کافر کہا ہے جن کا یہ عقیدہ ہو کہ انسانوں کے......

سنائی دیتی تھی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کا خوف، منصب کا احساس اور ذمہ داری کا بوجھ اِس بات پر بے اختیار کر رہا تھا کہ زار زار روئیں اور سینے پر ہاتھ ماریں کہ اگر یہ قضاء کا عہدہ قیامت میں گلے پڑ گیا تو پھر کیا ہوگا؟[1]

(۲) قاضی کو ایک تو حکومت مقرر کرتی ہے اور اِس قاضی کی ایک دوسری حیثیت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قاضی ہے یا نہیں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں قاضی کا ایک بلند مقام ہے۔ اگر وہ اِس مقام کا اہل ہے تو اللہ تعالیٰ کی خوشی اُسے مل کر رہے گی۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ تو قاضی کے ذاتی کردار کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ اُن کے شاگرد حسن بن زیاد "لؤلؤی" رحمتہ اللہ علیہ کہتے تھے میں نے اُن سے سُنا کہ اگر کوئی قاضی رشوت لے گا تو وہ اُسی وقت اپنے عہدے سے معزول ہو جائے گا اگرچہ حکومت اُسے معزول نہ کرے۔[2]

"حکومت کے قاضی، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں معزول اور گنہگار"

(۳) عثمان بن ابو عاصم کو خلافت نے "سامرّاء" شہر کے قاضی بنانے کا فیصلہ کیا تو وہ اپنے بھائی احمد بن ابو عاصم کے پاس آئے اور بولے "کیا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں قاضی کے طور پر اٹھایا جاؤں گا" بار بار یہ جملہ دہراتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی کے احساس سے اُن کا "پتہ" پھٹ گیا اور موقع پر ہی انتقال کر گئے۔[3]

...... اپنے خود ساختہ قوانین بھی حکم الٰہی ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو غلط اور اپنے قانون کو صحیح سمجھے۔ کوئی مسلمان اگر قانون الٰہی پر عمل نہ کرے لیکن اُس کا عقیدہ درست ہو تو پھر وہ فاسق ہے، کافر نہیں۔ یہ آیت کریمہ عام نہیں بلکہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔

۱۔ سیر اعلام النبلاء، القاضی خیاط، رقم:۳۲۳، ج:۱٤، ص:٥٢٤.

۲۔ سیراعلام النبلاء، ابو حنیفہ نور اللہ مرقدہ، رقم:۱٦۳، ج:٦، ص:۳۹۰.

۳۔ سیراعلام النبلاء، ابن ابی عاصم، رقم:۲۱٥، ج:۱۳، ص:٤۳۰.

(۱) قانون اللہ تعالیٰ کا۔

(۲) افراد جن پر قوانین الٰہی کا نفاذ ہونا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کو عقیدۃً اور عملاً ماننے والے۔

(۳) جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے قوانین کو نافذ کرنا ہے وہ افراد یا ادارے امانتدار۔

(۴) یہ افراد یا ادارے جس ریاست کے نمائندے ہیں اُس ریاست کے حکمرانوں میں قوت و امانت کی صفات ہوں تب جا کر کسی مملکت کا نظام عدل تشکیل پاتا ہے اور زمین، آسمان کی برکتوں کو جذب کرتی ہے۔ اگر اِن چار ارکان میں سے کوئی ایک رکن بھی کمزور ہے تو پھر وہ ریاست کوئی بھی نظام عدل قائم نہیں کر سکتی، اسلامی نظام عدل تو بہت دور کی بات ہے۔

آپ ایک ایسے معاشرے کا تصور کیجیے جہاں افراد ہی کی اصلاح نہیں ہوئی۔ ان کی تربیت کے لیئے ادارے نہیں ہیں، وہ قوم نہیں، محض انسانوں کی ایک بھیڑ ہے، خودرو پودے ہیں، جنہوں نے بغیر کسی منصوبہ بندی کے زندگی گزاری ہے، بے مقصد پیدائش، ناقص پرورش، ناپاک غذا، صحیح مقاصد کو سمجھے بغیر شادیاں اور پھر غیر تربیت یافتہ اولاد، افلاس اور موت، یہ ہے اُس بھیڑ کی کُل زندگی۔ تو فرد میں اگر قانون کی پابندی، احکامات الٰہی کی متابعت کا شعور نہیں آئے گا تو پھر افراد کا مجموعہ (معاشرہ) قانون کی پابندی کو کیسے برداشت کرے گا؟

کیا زندگی میں لائن بنانا (Queue System) ، اپنی باری کا انتظار کرنا، شاہراؤں، گلیوں اور عوامی مقامات (Public Places) پر نہ تھوکنا، گندگی نہ پھیلانا، ٹریفک کے قوانین (Traffic Laws) کی پابندی کرنا، کیا اِن قوانین کی پیروری کے لیے بھی ایک امیر المومنین اور وحیٔ الٰہی کی ضرورت ہے؟ فرد میں اِتنا شعور کیوں نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی خارجی دباؤ کے، از خود قواعد کی پابندی کرے؟

فرد میں اِس شعور کے نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فرد پر محنت اور اس کی تربیت نہیں کی گئی۔ افراد

کے مجموعے کو نعروں کی غذا دے کر پالا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس مجموعے کی ایسی جذباتی تربیت کی گئی ہو، وہ ایک جتھہ تو بن سکتا ہے، قوم نہیں۔

حکومت کا نظام خواہ بادشاہی ہو یا جمہوری، انہی غیر تربیت یافتہ افراد نے بنانا ہے، انہی نے چلانا ہے تو پھر یہ افراد خواہ تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہوں، چونکہ غیر تربیت یافتہ ہوں گے تو وہ جب اپنی انفرادی زندگی میں قانون کے پابند نہیں تھے تو اِس اجتماعی زندگی میں ریاست کو قانون کے تابع رکھنے کی اہمیت کو کیوں کر جان سکیں گے؟

جمہوریت افراد کو نہ پیدا کرتی ہے اور نہ اُن کی تربیت کرتی ہے بلکہ وہ تو معاشرے کی بلوئی (Butter Churn) ہے، جو کچھ کہ معاشرے میں ہوتا ہے اس کا نچوڑ نکال کر سامنے رکھ دیتی ہے کہ آپ کے معاشرے کے افراد نے اِن لوگوں کو پسند کیا اور یہ قوم اِنہی افراد کے نظام کے قیام پر خوش ہے۔

جب افرادی مجموعہ اور اِن کے منتخب کردہ نمائندے بھی غیر تربیت یافتہ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کا اپنا تکوینی قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ اُسے اِن مظلومین اور ناکردہ گناہوں کے مرتکبین کو بچانا ہوتا ہے، جن کا سہارا اس کی ذاتِ وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا۔ اُسے اُن بچوں، عورتوں اور معاشرے کے ان پسے ہوئے طبقات پر ترس آتا ہے، جو طاقت سے محروم ہوتے ہیں اور جن کے پاس کوئی ''رکن شدید'' (مضبوط سہارا) نہیں ہوتا[1]۔ یوں اُس کے تکوینی قوانین حرکت میں آجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے تکوینی قوانین کیا ہیں؟ مثلاً یہ کہ اُس نے بتایا کہ جو شخص اُس کا ''ذکر'' چھوڑ دیتا ہے، وہ حرص اور بخل کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُسے بے انداز دولت جمع کرنے کی بدعادت پڑ جاتی ہے

۱۔ اشارہ ہے، پ:۱۲، سورۂ ھود، آیت:۸۰، کی طرف کہ جب حضرت لوط علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام کی قوم نے اُن کے گھر پر حملہ کر کے، خوبرو نوجوانوں کی شکل میں آئے ہوئے فرشتوں پر دست درازی کرنی چاہی تو اُنھوں نے فرمایا کہ ''کاش میرے پاس اِس بدفطرت گروہ کا مقابلہ کرنے کے لیے آج کوئی طاقت ہوتی اور یا پھر میں کسی رکنِ شدید (مضبوط سہارے) کی پناہ لے سکتا''

اور سب کچھ ہونے کے باوجود خرچ نہیں کرتا اِس طرح ایک حریص اور بخیل (شُح) شخص کا کردار سامنے آتا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا (پ:۱۶، س:طٰہٰ. آیت ۱۲۴) ''اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا، تو اُس کا جینا تنگ ہو جائے گا۔''

یعنی حلال مال اُس کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ وہ حرام کمانے لگ جائے گا اور پھر حرص اور بخل اُس کا جینا اجیرن کر دے گی اور یہ خیر سے نکل کر شر میں جا پڑنا اس تکوینی قانون کا نتیجہ ہے جس قانون کا نام ہے ''اعراض از ذکر الٰہی''۔

اللہ تعالیٰ کے یہی تکوینی قوانین جب ایسے معاشروں پر نافذ ہوتے ہیں، جہاں فرد اور افراد کا مجموعہ (سوسائٹی) اپنی انفرادی زندگی میں قوانینِ الٰہی کا نفاذ نہیں کرتے اور ان کی حکومت بھی اُسی معاشرے کے غیر تربیت یافتہ افراد پر مشتمل ہوتی ہے، تو اُنہیں دو شدید سزائیں ملتی ہیں۔

① اُن میں ہر قسم کی ''بھوک'' عام ہو جاتی ہے۔

② اُن پر معلوم اور نا معلوم ''خوف'' مسلط کر دیے جاتے ہیں۔

اِس تکوینی قانون کی ایک مثال قرآن کریم ہی سے برائے غور و فکر پیش نظر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی بستی کا ذکر فرمایا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے منجملہ اور احسانات کے خاص طور پر یہ دو احسان کیے تھے۔

① اس بستی میں چین اور امن بہت تھا۔

② اور اِنہیں نہایت وافر مقدار میں بڑی آسانی سے ''رزق'' ہر سو سے دیا جا رہا تھا لیکن اُنہوں نے اِن انعاماتِ الٰہی کی قدر نہیں کی اور:

فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَہَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ. (پ:۱۴، س:النحل، آیت:۱۱۲) پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں مزا چکھا دیا، اس طرح کہ (۱) بھوک اور (۲) خوف اُن کے تن کے کپڑے ہو

گئے، یہ اُن کے کرتوتوں کی سزا تھی۔

تکوینی قوانین ''بارگاہ معلیٰ'' سے ''ملاءِ اعلیٰ'' پر نازل ہوتے ہیں۔ وہاں ''و ھو العلی الکبیر'' (اور وہاں وہی بلند و بالا و برتر ہے، کبریائی اُس کی سج دھج ہے)۔ مقربین بھی کبھی خبر پاتے ہیں اور پھر ''فرد'' جو باغی ہوتا ہے، قانون کی پیروری نہیں کرتا، اس کی بھوک اگر رزق سے متعلق ہو تو، قحط پڑ جاتا ہے اور اگر جنس سے متعلق ہو تو، غلاظت میں جا گرتا ہے۔ اِس پر ضروریاتِ زندگی کی عدم دستیابی کا خوف اور عدم تحفظ کا خوف مسلط ہو جاتا ہے۔ یہ تو فرد کا حال ہے۔

اِیسی سرکش حکومت جب تکوینی قانون کے شکنجے میں آتی ہے تو پھر اُس پر بھی ''بھوک'' مسلط کر دی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ملکی اور بین الاقوامی سود کی لعنت کا طوق گلے میں ڈالنا پڑ جاتا ہے اور خوف، تو پھر خوف ہی خوف حکومت کے چھن جانے کا خوف، غیر ملکی طاقتوں کا خوف، معلوم خوف اور نا معلوم خوف۔

جو اور کسی کا مان رکھے، تو اُس کو بھی ارمان ملے ۔۔۔ جو پان کھلاوے، پان ملے، جو روٹی دے تو نان ملے

نقصان کرے، نقصان ملے، احسان کرے احسان ملے ۔۔۔ جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ایسا اُس کو آن ملے

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے ۔۔۔ اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے، یہ سودا دست بدستی ہے[1]

جو آگ سارے گھر کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے، اُس کا آغاز ایک چنگاری ہی سے ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو فرد سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے دامن کو نافرمانی کی چنگاری سے آگ نہ لگائے۔ فرد قانونِ خداوندی کو اپنی ذات پر نافذ کرے۔ فرد منظم زندگی گزارے اور پھر یہ فرد، فرد سے مل کر پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کرتا ہے۔ پھر اس معاشرے میں بھوک کے بجائے رزق ملتا ہے اور خوف، امن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

چہ باید مرد را؟ طبع بلندے، مشربِ نابے ۔۔۔ دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے[2]

(مردِ مومن کو کیا چاہیے؟ بلند فطرتی، خالص مشرب، یعنی محبوبِ حقیقی کی محبت ایک گرم دل، پاک نگاہ اور ایک بے چین روح)۔

---

[1] کلیات نظیر اکبر آبادی، اخلاقیات، مکافاتِ عمل، ص: ۵۴۰۔ [2] بانگِ درا، زیرِ عنوان ''طلوعِ اسلام''

حدیثِ وفا

اربابِ ذوق کی خدمت میں "حدیثِ وفا" کے عنوان سے عشق و محبت کا ایک گراں قدر ہدیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے رنگ میں ڈوب کر یہ سطور سپردِ قرطاس کی گئی ہیں۔ مردِ خدا کے لئے متاعِ کونین سے عزیز تر اور اس کا حاصلِ حیات وہ ناطہ ہے، جو اللہ تعالیٰ اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پیوست ہے۔

"حدیثِ وفا" اسی ناطے کو سرسبز و شاداب رکھنے کا سامان اور اسی عہدِ وفا کی تذکیر ہے جو صبحِ ازل میں منعقد ہوا تھا اس کتاب کا محور یہی ہے اور تمام روایات اسی مرکز کے گرد مصروفِ طواف ہیں۔

"حدیثِ وفا" ان دیوانگانِ عشق کے تذکرے سے بھی معمور ہے جن کی عقل کی منزل اور عشق کا حاصل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود تھا۔ وہ جس ذات کو دیکھ کر جیتے تھے اسی کے پیغام کو پھیلانے میں مر مٹے۔ ان پیکرانِ وفا کا ذکرِ خیر ان سے مربوط ہونے کی دلیل اور ان کے حالات اس خبر کے پیغام رساں کہ۔

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

محدثین عظام اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث اربعہ کو امہات میں شمار کیا ہے "حدیثِ جبریل" ان میں سے ایک ہے۔

حدیثِ جبریل میں کامل دین کو تین شعبوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

(۱) ایمان (۲) اسلام (۳) احسان

"حدیثِ وفا" کا قاری ذرا تعمق نظر سے جائزہ لے تو ان تینوں شعبوں کی روح جو عمل پر آمادہ اور مہمیز شوق لگاتی ہے، وہ "عشق و محبت" ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

"حدیثِ وفا" اسی عشق کی بادِ بہاری کا نام ہے۔ ہر حکایت اور ہر روایت اس اصلِ حیات کو فروغ دیتی ہے۔ مصنف نے روشنائی کی بجائے عشق سے یہ ارمغان مرتب کیا ہے۔ کیا عجب کہ کسی دل کے نہاں خانے میں پھر سے یہ حدیثِ وفا حدیثِ عشق کی بھٹی سلگا دے۔